ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

ہمارا اصل دشمن

”جنگی تاریخیں صاف بتلاتی ہیں کہ بجز ہوس کی آگ، نفس کی آگ، اور پیٹ کی آگ کو بجھانے کے اور کوئی اہم مقصد حکومتوں کے سامنے نہیں رہا۔ کسی سیارہ اور کسی مریخ سے کوئی دشمن نہیں اترا، باہر سے کوئی ستانے کے لیے نہیں آیا، کسی دوسرے ملک سے بھی ہمیں تباہ کرنے کے لیے کوئی نہیں آیا بلکہ جو کچھ ہماری مصیبتیں ہیں وہ ہمارے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی اور ہماری ہی اخلاقی پستی کا نتیجہ ہیں۔“

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

FEB 17

₹10/-

اسلام کی میراث

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

"یہ میراث جو ہمارے ہاتھ میں پہنچی ہے اور جس کو ہم میراث کے معنی میں نہیں بول رہے ہیں، جو اہل مغرب کا مفہوم ہے، اس لیے کہ اسلام ایک زندہ وجاوید دین ہے، ہم میراث سے وہ دولت اور ثروت مراد لیتے ہیں جو ہمارے اسلاف سے ہماری طرف منتقل ہوئی ہے، علم راسخ، محفوظ ومضبوط عقائد، طاقتور ایمان، سنت سنیہ، اخلاق عالیہ، فقہ وشریعت اور شاندار اسلامی ادب کی ثروت، اس میراث میں ہر اس فرد کا پورا حصہ ہے جس نے اسلام کے کسی دور میں بھی منہاج خلافت پر حکومت قائم کی، جاہلیت اور مادیت کا مقابلہ کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، اسلام کے خصائص مٹ گئے تھے ان کو اجاگر کیا، امت میں ایمانی روح پیدا کی، اس لازوال ثروت میں ہر اس شخص کا اضافہ تسلیم کیا جائے گا جس نے اس دین پر اس کے مآخذ اور اس کی تعبیرات پر اعتماد کو از سر نو استوار کیا، نو وارد فلسفوں کا ابطال کیا، اسلام کی حقیقی فکر کی حفاظت کی اور اس امت کو کسی نئے فتنے میں پڑنے سے باز رکھا، جس نے اس امت کے لیے اس کے دین اور مصادر دین کی حفاظت کی، حدیث و فقہ کی تدوین جدید کا کام انجام دیا، اجتہاد کا دروازہ کھولا اور امت کو تشریح کا خزانہ عامرہ اور زندگی و معاشرہ کا منظم قانون عطا کیا، جس نے معاشرہ میں احتساب کا فرض ادا کیا، اور اس کے انحراف اور کجروی پر کھل کر تنقید کی اور صحیح وحقیقی اسلام کی برملا و آشکارا دعوت دی، جس نے شکوک وشبہات کے دور اور اضطراب عقائد کے زمانہ میں علمی طرز استدلال اختیار کر کے دماغوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی، اور ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی، جس نے دعوت و تذکیر اور انذار وتبشیر میں انبیاء علیہم السلام کی نیابت کی، اور ایمان کی دبی ہوئی چنگاریوں کو شعلہ جوالہ کی حرارت وحرکت بخشی، جس نے مادہ کے تند و تیز دھارے کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی تیزی و بلاخیزی کم کی، اور خدا کی مخلوق کو اس دھارے میں بہہ جانے یا اس میں دب جانے سے محفوظ رکھا، جس نے اس امت کی سیاسی قوت کی حفاظت کی، اور اس کو پے در پے خارجی حملوں کو سہار لینے کی قوت عطا کی، جس نے اپنی حکیمانہ دعوت اور اپنے دام محبت سے اس دشمن کو شکار کیا جو زور شمشیر اور نوک خنجر سے بھی زیر نہ ہو سکا تھا، اور جس نے عالم اسلام کو اس سرے سے اس سرے تک زیر وزبر کر کے رکھ دیا تھا، جس نے اپنے طاقتور ایمان اور اپنی روحانی طاقت سے ایسے دشمنوں کو حظیرۂ اسلام میں داخل کیا اور محمد عربی علیہ الصلاۃ والسلام کی غلامی کا شرف بخشا، جس نے اپنے طاقتور ادب اور دل گداز و بلیغ اشعار سے ان ذہنوں کو اسیر دام کیا، جو علمی مباحث اور مذہبی فلسفوں سے مطمئن ہونے والے نہیں تھے۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد:۹ | فروری ۲۰۱۷ء | شمارہ:۲

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

حکمرانی کی شرطیں

﴿ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴾ (النور:۵۵)

(تم میں جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے بھلے کام کیے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور زمین میں حاکم بنائے گا جیسا اس نے ان کے پہلوں کو حاکم بنایا اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور طاقت عطا فرمائے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند کرلیا ہے اور ضرور ان کے خوف کو اطمینان سے بدل دے گا (بس) وہ میری بندگی کرتے رہیں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جس نے اس کے بعد بھی انکار کیا تو وہی لوگ نافرمان ہیں)

فی شمارہ: -/Rs.10 | Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: -/Rs.100

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فہرس

خودغرضی کا طوفان (اداریہ).....۳
.....بلال عبدالحی حسنی ندوی
تعلیم آداب.....۴
.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
بردباری ونرم دلی.....۶
.....مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی.....۷
.....پروفیسر محسن عثمانی ندوی
حقیقی محبت.....۹
.....بلال عبدالحی حسنی ندوی
نوافل-فضائل واحکام.....۱۱
.....مفتی راشد حسین ندوی
تہذیب اسلامی کی خصوصیت.....۱۳
.....ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی
نماز کی اہمیت.....۱۴
.....خلیل احمد حسنی ندوی
فرشتوں پر ایمان.....۱۶
.....محمد ارمغان بدایونی ندوی
مسلم ووٹوں کی سیاست.....۱۷
.....محمد نفیس خاں ندوی
جو دلوں کو فتح کرلے.....۱۹
.....ابوالعباس خاں

نغمۂ
تسلیم و درود

نتیجۂ فکر:-علامہ سید سلیمان ندویؒ

نقش جس قلب پر نام شہ ابرار نہیں
سکہ قلب ہے وہ در خورِ بازار نہیں

تو ہے مجموعۂ خوبی و سراپائے جمال
کون سی تیری ادا دل کی طلب گار نہیں

مجلسِ شاہؐ میں ہے نغمہ تسلیم و درود
شور تسبیح نہیں، شورش اذکار نہیں

ذرہ ذ nرہ ہے مدینہ کا تجلی گہِ نور
دشت ایمن یہ نہیں جلوہ گہِ ناز نہیں

جان دے دے کے خریدار بنے ہیں انصار
عشق زارِ نبوی مصر کا بازار نہیں

شک نہیں مطلع والشمس ہے بطحا کی زمیں
کون سا ذرہ وہاں مطلعِ انوار نہیں

ہر قدم بادِ صبا! حسن ادب سے رکھنا
بوئے گیسوئے نبیؐ، نافۂ تاتار نہیں

صید مژگانِ محمدؐ ہیں غزالانِ حرم
اس لیے ناوک و پیکاں کے سزاوار نہیں

مدیر کے قلم سے

خودغرضی کا طوفان

بلال عبدالحی حسنی ندوی

اس وقت پوری دنیا طوفان کی زد پر ہے، یہ ایسا طوفان ہے جس سے نہ کوئی ملک بچا ہے، نہ کوئی شہر اور قصبہ، محلہ محلہ اور گھر گھر اس طوفان کی لپیٹ میں ہے، شاید ہی چند افراد ہوں جو اس کی تیز وتند ہواؤں سے مقابلہ کرتے نظر آئیں، یہ طوفان ہوا اور پانی کا نہیں آگ کا بھی نہیں، اس سے زیادہ سخت اور تشویش ناک ہے، آگ ہوا اور پانی کے طوفان سے گھر برباد ہوتے ہیں، کارخانے تباہ ہوتے ہیں، افراد موت کے گھاٹ اترتے ہیں، لیکن یہ ایسا طوفان ہے جس نے پوری انسانیت کو تباہی کے راستہ پر ڈال دیا ہے، وہ انسان جس کی خصوصیت یہی تھی کہ وہ دوسروں کے لیے جینا جانتا تھا، دوسروں کی مدد کر کے اس کو سکون ملتا تھا، ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کر کے اس کو انسانیت کا مزہ آتا تھا، آج وہ انسانیت اس طوفان کے بھنور میں پھنس گئی ہے، اور دور دور کوئی ملاح نظر نہیں آتا، جو اس کی ڈولتی کشتی کو پار لگائے اور اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ کشتی کے سوار میٹھی نیند سو رہے ہیں، ان کو ذرا بھی خیال نہیں کہ ان کی کشتی ڈوبنے والی ہے۔

یہ طوفان بلاخیز خودغرضی کا ہے، جو گھر گھر داخل ہو چکا ہے، ہر ملک دوسرے کمزور ملک کو ہڑپ کرنے کے لیے تیار ہے، جیسے بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھانے کے لیے تیار رہتی ہے، ہر طاقتور کمزور پر حملہ آور ہے، انسان اپنی انسانیت کو فراموش کر چکا، اس کو پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنا آ گیا، مچھلیوں کی طرح پانی میں تیرنا آ گیا، لیکن انسانوں کی طرح زمین پر چلنا نہیں آیا، وہ جانوروں کی زندگی گذار رہا ہے، اور طرفہ تماشہ یہ کہ اس کو اس پر ناز ہے، اس کو اپنی درندگی پر ناز ہے، ظلم وستم کو وہ ہنر سمجھ رہا ہے، کسی کا حق دبا لینا فنکاری ہے، آج یورپ وامریکہ کے کلچر نے دنیا کو تباہ کر دیا۔

ایک صاحب نے واقعہ سنایا کہ جب میں انگلینڈ کے ایرپورٹ پر اترا تو بھیڑیئے کی تصویر وہاں مجھے نظر آئی، مجھے تعجب ہوا جو صاحب مجھے رسیو کرنے آئے تھے، انہوں نے کہا: جانتے ہو کیا ہے؟ یہ یہاں کے کلچر کی عکاسی ہے، یہاں کی تہذیب یہ سکھاتی ہے، اپنے فائدہ کے لیے تم جس کو چاہو چیر و پھاڑ و تباہ کرو، آگے بڑھنا ہے بس چلے دھکا دے کر آگے بڑھ جاؤ، پیچھے مڑ کر نہ دیکھو کہ وہ تڑپ رہا ہے، اس کی جان نکل رہی ہے، بس تم اپنے فائدہ کے لیے سب کچھ کرتے چلے جاؤ۔

یہ دنیا کا ماحول ہے، پوری دنیا اس کی شکار ہے، آج ایک باپ بھی بیٹے پر خرچ کرتا ہے تو سوچتا ہے کہ کل اس سے ہمیں کچھ ملنے والا ہے، یورپ نے ان رشتوں کے تقدس کو بھی پامال کر ڈالا، نیچر کو بگاڑ کر رکھ دیا۔

خودغرضی کے اس طوفان میں محبتوں کے دیئے جلانا کوئی آسان نہیں، مگر یہ سچے انسانوں کا شیوہ ہے۔

ہوا ہے گو تیز وتند لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

یہ ذمہ داری سب سے بڑھ کر مسلمانوں کی تھی، لیکن افسوس کہ مسلمان بھی اس طوفان کی زد میں آ گئے، طوفان کی ان گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں محبت وانسانیت اور ہمدردی کے چراغ جگہ جگہ روشن کرنے کی ضرورت ہے، اس کے لیے بڑی قربانی چاہیے، بڑے صبر وضبط کی ضرورت ہے، بڑی قوت ارادی اس کے لیے ضروری ہے۔ ہر طرح کے کام مادی فوائد سے بلند ہو کر سچائی، امانت داری اور انسانیت وہمدردی کا ساتھ دینا ہے، اس کی آواز لگانی ہے، نقار خانہ میں طوطی کی صدا سہی لیکن یہی ایک دن ایسا نعرۂ مستانہ ہوگا جو نہ جانے کتنے دلوں کو بے خود بنا دے گا، اور نوید صبح بن کر ایک ایسی چمک پیدا کرے گا جس سے تاریکیاں چھٹ جائیں گی۔

پہلے بھی دنیا نے یہ مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور پھر دنیا اس کی منتظر ہے، کون ہے جو اس کو تباہی کے غار سے نکالے، اور اس کی ڈوبتی نیا کو پار لگائے۔

تعلیم آداب

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

أعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ☆ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحجرات: ٤-٥)

(بے شک جو لوگ آپ کو پکارتے ہیں آپ کے گھروں کے پیچھے سے، ان میں سے اکثر بات کو نہیں سمجھتے، اگر یہ لوگ صبر کرتے جب تک کہ آپ خود نہ نکلتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا، اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے اور رحم کرنے والا ہے)

ان آیات میں اللہ کے رسول ﷺ کے متعلق ادب کی تعلیم دینے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بعض بدوی اپنے مزاج کے مطابق آکر آپ ﷺ کے گھر کے باہری حصہ سے بلند آواز سے آپ ﷺ کو پکارتے تھے، ''اے محمد! اے محمد! باہر نکلو'' یہ وہ لوگ تھے جو گاؤں دیہات سے آتے تھے، اور اکھڑ ہوتے تھے، تہذیب نام کی کوئی چیز نہیں جانتے تھے، بڑے سے کس طرح بات کرنا چاہیے، برابر والے اور چھوٹے سے بات کرنے کا کیا طرز ہونا چاہیے، ان لوگوں کو ان آداب کا کچھ بھی علم نہ تھا، ایک مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ دیہات کے کچھ لوگ آئے، انہوں نے باہر سے محمد محمد پکارنا شروع کردیا تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بات سنا سکیں، یہ الگ بات ہے کہ ان کا یہ آواز لگانا کسی بری نیت سے نہیں بلکہ محض ناواقفیت کی بنیاد پر تھا، لیکن بے ادبی بے ادبی ہی ہوتی ہے خواہ بری نیت سے نہ ہو، ان لوگوں کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول کے لیے ہرگز ناپسند تھا، اس لیے ان کی گرفت فرمائی، نبی کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے اس کی تعلیم دی، اور ان بدوی لوگوں کے متعلق فرمایا کہ ان کی یہ حرکت ناواقفیت کی بنیاد پر ہے، انہوں نے یہ عمل اپنے مزاج کے مطابق کیا، انہیں یہ سمجھ نہیں ہے کہ وہ نبی پاک ﷺ کے ساتھ کس طرح پیش آئیں، کس طرح بات کریں، ان کے مقابلہ میں نبی اکرم ﷺ کا مقام کس قدر بلند ہے۔

دوسری آیت میں انہیں لوگوں کے متعلق کہا گیا کہ ان کے لیے بہتر بات تو یہ تھی کہ آپ ﷺ کے گھر سے نکلنے کا انتظار کرتے، اس طرح آپ ﷺ کو پکارنا صحیح بات نہیں ہے، ممکن ہے اس وقت حضور ﷺ ایسی حالت میں ہوں کہ اس حالت میں ان کے لیے نکلنا نامناسب ہو، لیکن آپ پکارے چلے جائیں گے تو اس بات سے ان کو خلل ہوگا اور اذیت بھی پہنچے گی، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ گھر کے اندر آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہو جس کے اندر آپ ﷺ کو کسی کا پکارنا مناسب نہیں ہے، اس لیے باہر سے ہر شخص کو بے تکلفی کے ساتھ آواز دینے میں محتاط رہنا چاہیے، کیونکہ نبی ﷺ کا معاملہ عام انسانوں سے بالکل مختلف ہے۔

ان آیات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دیہات کے لوگوں کو مخاطب کرکے شہری لوگوں کی بھی تنبیہ کردی کہ تم بھی اللہ کے نبی ﷺ کو معمولی نہ سمجھو، ان کا اللہ سے خاص تعلق ہے، اور اس تعلق کی وجہ سے ان کو تم پر ایسی برتری حاصل ہوگئی ہے کہ کسی اور کو وہ برتری حاصل نہیں ہے، گرچہ وہ انسان ہیں لیکن اللہ نے ان کو اپنا لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی پوری سرپرستی فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایات دیتا ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ☆ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ٣-٤)

(آپ جو بات بھی کہتے ہیں اپنے دل سے نہیں کہتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ اور رہنمائی کی بنیاد پر کہتے ہیں)

معلوم ہوا آپ ﷺ کے کہنے کو آپ کا کہنا نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ درحقیقت وہ اللہ کا کہنا ہوتا ہے، البتہ آپ کے واسطہ سے پہنچتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست کسی کو مخاطب نہیں کرتا، اگر اللہ تعالیٰ کی بات براہ راست آئے تو اس کو انسان برداشت ہی نہیں کرسکتا، خود آپ ﷺ کا معاملہ یہ تھا کہ جب وحی آتی تھی تو آپ پر اتنا بوجھ پڑتا تھا کہ آپ پسینہ پسینہ ہوجاتے تھے، اور آپ کی کمر

جھک جاتی تھی، اگر آپ سواری پر ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اس کی پیٹھ ٹوٹ جائے گی، آپ کا گھٹنا کسی کے اوپر ہوتا تھا تو معلوم ہوتا تھا منوں بوجھ اس پر لد گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا بنایا تھا کہ آپ اتنا بوجھ برداشت کر لیتے تھے، اگر وہی وحی کسی دوسرے انسان پر اترتی تو وہ کچل کر مر جاتا، لیکن اس کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

گویا ان تعلیمات کا خلاصہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے مقام کو اس طرح سمجھا جائے کہ ہمارے تمام معاملات میں اس کا اثر ظاہر ہو، نبی کے نام پر کسی بھی مجلس کے انعقاد کے وقت یہ احساس ہو کہ ہم کس کی بات سن رہے ہیں، کس کی مجلس میں بیٹھے ہیں، ایسا نہ ہو کہ ایسی مبارک مجلسوں میں بھی شرکت ہو مگر اس کے باوجود ہم اپنے دوستوں سے ہم کلامی میں مست ہوں، یا ایسے بیٹھے ہوں جیسے اپنے کسی ہمسر کے سامنے بیٹھے ہوں، کیونکہ نبی ﷺ کی ذات اقدس وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ سے مخصوص تعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسی عظمت عطا فرمادی ہے کہ آپ انسان ہیں مگر عام انسانوں کی طرح نہیں، حضور ﷺ فرماتے تھے کہ میں ایک انسان ہوں، جس طرح لوگ کرتے ہیں میں بھی کرتا ہوں، بس یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو نبی بنایا ہے، یہ جو اعزاز آپ کو ملا اس سے آپ اور انسانوں سے برتر ہو گئے لیکن انسان رہے۔

مندرجہ بالا آیات میں خاص طور پر عربوں کو ہدایت کی گئی، کیونکہ عربوں کا مزاج بہت بے تکلف مزاج تھا، وہ بادشاہ سے بھی خطاب ''تم'' سے کرتے تھے، عربوں کے یہاں یہ عجم سے تہذیب آئی، جو کہ ایک اچھی تہذیب ہے کہ مختلف لوگوں کے درجے کے مطابق ان سے معاملہ کرنا چاہیے، عرب بادشاہ سے یوں مخاطب ہوتے تھے جیسے کسی عام انسان سے، مثلاً: ''اے بادشاہ! تمہیں ایسا کرنا چاہیے''، بعض سادہ لوح عربوں نے حضور ﷺ کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا، لیکن عموماً یہ حال تھا کہ بعض صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو نگاہ بھر کے دیکھا ہی نہیں، یعنی ہمت نہیں پڑی کہ آپ پر کھلی نگاہ ڈال لیں، کیونکہ آپ ﷺ کا غیر معمولی رعب تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو عربوں کی اس عادت کے مطابق خطاب کرنے والے کچھ نئے لوگ تھے، یا انہیں پرانے لوگوں میں ایسے تھے، جو زور سے بات کرنے لگے، پکارنے لگے، اس لیے کہ کثرت کے ساتھ رہنے میں بے تکلفی ہو جاتی ہے، لہٰذا ہدایت دے دی گئی کہ ان سے اپنی آواز اونچی نہ کرو، بلکہ ان کی بات سنو، وہ تمہارے معلم ہیں، تمہارے ہادی ہیں، تمہیں ان سے کچھ لینا ہے، ان کی اطاعت کرنی ہے، ان سے برابری کا معاملہ نہیں کرنا ہے۔

ان آیات میں گھر کے باہر سے پکارنے کے متعلق جو بات کہی گئی ہے، نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تو اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہی تھا، مگر یوں بھی عام انسانوں کے ساتھ بھی اس کو ملحوظ رکھنا چاہیے، بسا اوقات ہمارے معاشرہ میں ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی کے دروازے پر زور زور سے پکارتے رہتے ہیں، نہ جانے وہ شخص اندر کس حالت میں ہو، لیکن باہر والا شخص اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا، جب کہ یہ بدتمیزی کی بات ہے کہ انسان اندر سے کوئی جواب نہ ملنے کے باوجود مستقل آواز لگاتا رہے، ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان باہر کھڑے ہو کر جواب کا انتظار کرے یا ان کے نکلنے کا انتظار کرے، جن سے ملنا ہے ان کے وقت کو دیکھے کہ ان کا کون سا وقت خالی ہے، اس وقت ان سے بات کرے، سچی بات یہ ہے کہ آج یہ اسلامی تہذیب مسلمانوں کے درمیان سے اٹھ رہی ہے، مسلمانوں کا حال یہ ہو گیا ہے کہ انہیں اس سلسلہ میں کوئی پرواہ نہیں ہوتی، صرف اپنے کام سے کام رہتا ہے، دوسرا آدمی کس حالت میں ہو اس کا کوئی خیال نہیں ہوتا، بغیر کسی جھجک کے اندر گھستے چلے آتے ہیں، جس پر بعض وقت اندر والے شخص کو شرمندگی بھی ہو جاتی ہے، اندر والا شخص کپڑے پہن رہا ہو، یا استنجاء خانہ میں ہو، یا اپنے کسی اور ذاتی کام میں مصروف ہو، اور کوئی دوسرا شخص باہر سے ان کو آواز دیئے چلا جائے یا بغیر اجازت اندر گھستا چلا آئے یہ سب غیر اسلامی طریقے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس ادب کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا، تاکہ تمام لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ادب کے ساتھ چھوٹے بڑوں کے فرق کو بھی سمجھ سکیں، کس موقع پر کیا بات کہی جائے، کس موقع پر کس کو اپنی ضرورت بتائی جائے، کس موقع پر آدمی کو بلایا جائے ان سب چیزوں کا خیال پیدا ہو سکے، اگر ان سب چیزوں کا خیال پیدا نہیں ہوتا تو پھر آدمی بے خیالی میں نہ جانے اپنے کن کن طریقوں سے لوگوں تکلیف پہنچاتا ہے۔

بردباری و نرم دلی

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف صفات سے نوازا ہے اور اس کو متضاد اوصاف کا حامل بنایا ہے، ایک طرف تو اس کے مزاج میں نرمی رکھی ہے تو دوسری طرف اس کے مزاج میں سختی بھی رکھی ہے، ایک طرف غصہ کرنے کی صلاحیت ہے تو دوسری طرف غصہ کو قابو میں کرنے کی ہمت بھی ہے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے بنایا ہے اور اس کے لیے مٹی سارے جہان سے لی گئی ہے اور اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے پتلہ کو تیار کیا گیا ہے، لہٰذا مٹی کے اندر جتنی خصوصیات ہیں وہی خصوصیات انسان کے اندر بھی پائی جاتی ہیں، جیسا کہ کہیں کی مٹی بالکل نرم ہوتی ہے تو کہیں کی بڑی سخت اور سنگلاخ ہوتی ہے، اسی طرح انسان کے اندر بھی یہ دونوں صفات پائی جاتی ہیں، اسی لیے بعض لوگ بہت سخت ہوتے ہیں اور بعض بہت نرم مزاج ہوتے ہیں، اسی طرح جیسے کہ بعض علاقہ کی مٹی بہت خشک ہوتی ہے لیکن بعض علاقوں کی مٹی بہت نرم ہوتی ہے جہاں پانی کے چشمے ابلتے ہیں اور بڑے بڑے دریا روانی سے بہتے ہیں، بالکل اسی طرح بہت سے لوگوں کے مزاج میں سختی ہوتی ہے لیکن بہت سے لوگوں کے مزاج میں نہایت نرمی بھی پائی جاتی ہے، جس نرمی کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو جلدی رواں ہوجاتے ہیں اور آنسوؤں کے انسان کی مٹی کو تر کرنے کی وجہ سے اس کا دل بھی اللہ تعالیٰ کی خشیت کے لیے نرم پڑ جاتا ہے، غرض کہ انسان کے اندر اللہ نے غیر معمولی صلاحیتوں کو رکھا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ان کے استعمال کا طریقہ بھی بیان کردیا ہے کہ جہاں نرمی کی صلاحیت کو ظاہر کرنے کی ضرورت ہو وہاں نرمی سے پیش آنا چاہیے اور جہاں سختی کی ضرورت ہو وہاں سختی بھی دکھانا چاہیے، لیکن اگر کوئی انسان اس کے برخلاف نرمی کی جگہ سختی اور سختی کی جگہ نرمی کرتا ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ کمزور ہوجائے گا، اسی لیے جس شخص کو ان دونوں چیزوں کے برمحل استعمال کا طریقہ معلوم ہوجائے درحقیقت اسی شخص کے متعلق قرآن مجید اور احادیث نبویہ ﷺ میں آتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے خیر کثیر سے نوازا ہے۔

البتہ ان دونوں صلاحیتوں کے استعمال کا طریقہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان کی عملی زندگی کا نمونہ دکھا کر پیش کردیا گیا، جس سے بڑھ کر کوئی نمونہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر آپ کی زندگی میں یہ نمونہ نہیں دکھایا جاتا بلکہ صرف اس کے استعمال کا حکم دیا جاتا تو بہت سے لوگ صرف نرمی کو ہی اصل سمجھتے اور بہت سے حضرات سختی کرنا ہی مناسب سمجھتے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کبھی غصہ نہیں ہوئے سوائے اس وقت کے جب کوئی اللہ کی شریعت کے مقابلہ میں آجائے، اس سے معلوم ہوا غصہ ایک فطری چیز ہے جس کو جڑ سے ختم کرنا بھی نامناسب ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ انسان اپنے اس غصہ کو صحیح رخ دے سکتا ہے، نہ کہ ہر جگہ غصہ ہی ظاہر کرے بلکہ جو مواقع ایسے ہوں جہاں شریعت الٰہی کے پامال ہونے کا خدشہ ہو وہاں پر غصہ دکھانا ضروری ہوتا ہے، اور اگر کسی کو ایسے مواقع پر غصہ نہ آئے تو حقیقت یہ ہے کہ وہ صحیح معنی میں انسان نہیں ہے؟ کیونکہ یہ انسان کے بے ضمیری کی علامت ہے کہ اس کے سامنے رسول ﷺ کی گستاخی کی جائے اور اس کو غصہ تک نہ آئے۔

بعض مرتبہ کچھ لوگ اپنی مردانگی کو باور کرانے کے لیے ایسے جملے استعمال کرتے ہیں، جو نہایت ہی نامناسب ہوتے ہیں، مثلاً: ''میں اپنے غصہ کو پی نہیں پاتا ہوں'' ''جب مجھے غصہ آتا ہے تو کوئی چیز میرے سامنے ٹک نہیں سکتی ہے''، شریعت اسلامیہ کی رو سے ایسے جملے کہنا مردانگی کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ مرد کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ یہ مجبوری دکھائے کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہوسکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے اندر ایسی قوتیں اور صلاحیتیں رکھی ہیں کہ کوئی چیز دنیا میں ایسی نہیں ہے جس کو انسان اپنے تابع نہ کرسکتا ہو۔

آج کل کے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان کی تمام تر مردانگی کو یورپ کی فکر سے دیمک لگ چکا ہے، ان کا تمام تر شعور و فکر صرف ناچنے گانے والوں کو دیکھنے میں ضائع ہو رہا ہے، اور نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اس صورت حال پر یورپ ہنس رہا ہے، کہ ہمارا تیر وار سے خالی نہیں گیا، بلکہ پوری مسلم قوم کو عقلی اعتبار سے کورا کردیا۔ (باقی صفحہ/۱۳ پر)

نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

ہمیشہ ایسا ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کوئی روشنی نمودار ہوتی ہے، تاریکی اس کو نگلنے کی کوشش کرتی ہے، جب بھی بہار کا موسم آتا ہے، کلیاں کھلتی ہیں، اور پھول مہکتے ہیں تو خزاں کا بہار پر حملہ ہوتا ہے، جب بھی دنیا کے کسی گوشے میں حق کا آوازہ بلند ہوتا ہے تو باطل اس پر حملہ آور ہوتا ہے، نور وظلمت کی یہ کش مکش، بہار اور خزاں کی آویزش، حق اور باطل کا معرکہ دنیا کی تاریخوں میں موجود رہا ہے، اسلام تاریخ انسانی کی سب سے بڑی روشنی اور سچائی ہے، لیکن اسلام کو بھی باطل کے ساتھ کش مکش کا سامنا کرنا پڑا ہے، کچھ لوگ اس نور حق کی حامیت کے لیے کھڑے ہوئے اور انہوں نے ظلمت کی مخالفت میں امکان بھر حصہ لیا، اسی کوشش کا نام اسلام کی اصطلاح میں جہاد ہے، جہاد کا مقصد نہ تو ملک گیری ہے اور نہ جہاں بانی کو حوصلہ دکھانا ہے، نہ توسیع پسندانہ پالیسی اختیار کرنا ہے اور نہ نوک شمشیر سے ملکوں کے جغرافیے بدلنا ہے، مقصد نہ مال غنیمت ہے نہ کشور کشائی ہے، بلکہ حق کی بلندی اور اس کی اشاعت کے لیے ہر قربانی اور ایثار کو گوارہ کرنا ہے، مخالفت کو توڑنا ہے اور مخالفین کے حملوں کو روکنا ہے۔

جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ کوئی بھی تحریک صرف اپنی حقانیت کے بل بوتے پر اور اصولوں کی پاکیزگی کی بنا پر کامیاب نہیں ہوتی، بلکہ کامیابی کے پیچھے وہ جماعت ہوتی ہے جو حق کی حمایت کے لیے عیش وآرام اور جان ومال کو داؤ پر لگا دیتی ہے، یہی مجاہدانہ ذوق ہے جو حق کی تحریک کو کامیابی سے ہم کنار کرتا ہے، مسلمانوں نے مکہ میں سخت ترین مظالم کو برداشت کیا، پھر ایک وقت وہ آیا کہ انہیں ہجرت کرنی پڑی، لیکن مدینہ پہنچ کر کے بھی تلواروں کے سایے میں انہیں زندگی بسر کرنی پڑی، راتوں کو پہرہ دینا پڑا، اور انہیں اپنے مذہب اور اپنی سرزمین دونوں کا دفاع کرنا پڑا، حقیقت یہ ہے کہ حق کی راہ کٹھن ہے، یہ پھولوں کی سیج نہیں ہے، اسی لیے انسان کو نرم وگرم دونوں قسم کے اخلاق کی حاجت ہوتی ہے، صبر وضبط، عفو ودرگزر بڑی خوبصورت اور قابل تعریف صفتیں ہیں، لیکن زندگی کے ہر نشیب وفراز میں کام نہیں دیتیں، ایک انگریز مفکر نے بجا طور پر کہا ہے:

"تحمل اپنی جگہ پر ایک اچھی چیز ہے، لیکن تم اس کو تو برداشت نہیں کر سکتے جو تم کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور تمہاری گردن قلم کر دینے کی کوشش میں لگا ہوا ہے"۔

نرم اخلاق ایک قابل تعریف اور مثبت صفت ہے، لیکن ہمیشہ زندگی کی باگ ڈور اس کے حوالہ نہیں کی جا سکتی، انسان کو اور ہر جماعت کو اپنی تحریک کی کامیابی کے لیے نرمی کی بہ جائے سختی، عدم تشدد کی بہ جائے تشدد کا طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے، دنیا کی تاریخ میں تلوار کو کبھی بالائے طاق نہیں رکھا گیا، ہندو اوتاروں اور اسرائیلی سرداروں نے بھی اسے بے نیام کیا ہے، پیغمبروں کو بھی جنگیں لڑنی پڑی ہیں، یہ اس لیے کہ کبھی ایسی صورت حال پیش آتی ہے کہ ہتھیار اٹھانا ایک اخلاقی ضرورت بن جاتا ہے، جب آزادی پر ہر طرف سے حملے ہونے لگیں، جب عبادت گاہیں خطرے میں پڑ جائیں، جب آبرو اور جان ومال کی کوئی قیمت باقی نہ رہ جائے تو محض تماشائی بن کے بیٹھا نہیں جا سکتا۔

اسلام نے حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لیے جنگ کرنا جائز قرار دیا ہے، یہ جنگ سلطنت وحکومت کی ہوس پوری کرنے کے لیے نہیں کی جاتی تھی، اسلام نے دین کی جبری اشاعت کی بھی ممانعت کی تھی، اور صاف کہہ دیا تھا: "لا اکراہ فی الدین" (یعنی دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں) دوسری جگہ ارشاد ہے: "انما علی رسولنا البلاغ المبین" (ہمارے نبی پر یہی فرض ہے کہ وہ صاف صاف پیغام پہنچا دیں) لیکن ہوا یہ کہ پیغمبر ﷺ کو طرح طرح کی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، پرامن تبلیغ کی بھی اجازت نہیں دی گئی، مدینہ ہجرت کرنے کے بعد بھی باطل کی قوتیں بار بار آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے ماننے والوں پر حملہ آور ہوئیں، ایسی صورت میں بھی اگر آپ ﷺ مقابلہ نہ کرتے اور تلوار نہ اٹھاتے تو دنیا کے لیے ایسی مثال پیش کرتے جس پر عمل کرنا ممکن نہ ہوتا، اس لیے اسلام نے ایک بلند مقصد کے لیے آخری تدبیر کے طور پر تلوار اٹھانے کی اجازت دی، اور ایک بار جب معرکہ گرم ہو گیا اور جنگ کی

آگ بھڑک اٹھی تو باطل طاقتوں نے مسلسل سازش اور لڑائی کا وطیرہ اختیار کیا، چنانچہ فوجوں کو روانہ کرنے کا ایک سلسلہ شروع ہوا، اللہ تعالیٰ نے مسلمان فوجوں کو فتح یاب کیا، اور دنیا کے بہت سارے ملک اسلام کے زیر نگیں آگئے، مسلمانوں نے جذبہ جہاد اور شوق شہادت کے ذریعہ دنیا کے بہت سے ملک فتح کئے، ان فتوحات کی داستان اسلامی تاریخ کے حیرت انگیز واقعات ہیں، اس بات کی ضرورت ہے کہ فاتحین اسلام کے ایمان پرور اور جوش وحمیت سے لبریز واقعات کو مسلمانوں کی نئی نسل کے سامنے پیش کیا جائے۔

جہاد اسلام میں ایک فریضہ ہے، جہاد میں سب سے زیادہ ضروری چیز نظم وضبط ہے، انسان اگر غور کرے تو محسوس کرلے گا کہ اسلامی عبادات میں یہ چیز پوری طرح موجود ہے، نماز میں فوجی تربیت کی شان موجود ہے، وقت کی پابندی، فرض شناسی، چستی اور محنت، صفوں کی ترتیب اور درستی اور ایک امام کی اطاعت، یہ وہ ساری باتیں ہیں کا تعلق فوجی نظم وضبط سے ہے، اور پھر جس طرح سے فوجی کیمپ لگتے ہیں، اسی طرح سے جمعہ، عید اور حج کے موقع پر مسلمان نظم وضبط کے ساتھ جمع ہوتے ہیں، اور جس طرح سے ایک فوجی تکلیف برداشت کرنے کی مشق کرتا ہے، اسی طرح روزے میں بھی ایک مسلمان بھوک پیاس کی مشق کرتا ہے، گویا ایک مسلمان کی زندگی شروع سے آخر تک جہاد کی تربیت ہے، جہاد کا مقصد کسی سرزمین پر مخالفتوں کا زور توڑ کر دلوں پر اللہ کی حکومت قائم کرنا ہے، اور دنیا سے ظلم وزیادتی کو مٹانا ہے، اور عدل وانصاف کو پھیلانا ہے، حضور ﷺ نے اور صحابہ کرام نے تاریخ میں ایسے نمونے چھوڑے ہیں جن پر اگر دنیا عمل کرے تو ہمیشہ امن وامان قائم رہے، جہاد بمعنی قتال اگرچہ جنگ ہے، لیکن اس کا مقصد خوں ریزی کا انسداد، امن وامان کا قیام اور دین کے قبول کرنے کے معاملہ میں جبر کو ختم کرنا ہے، آنحضرت ﷺ کی تربیت سے ایسے بہادر، دلیر، جاں باز سپہ سالار پیدا ہوئے جن کے کارنامے دنیا کی تاریخ میں مشعل ہدایت کا کام دیتے ہیں، یہ مجاہدین وفاتحین تلوار کے دھنی تھے، راہِ حق میں جان کے زیاں کو کچھ ایسا زیاں نہیں سمجھتے تھے، لیکن یہ تلوار کے دھنی کوئی ظالم وجابر فاتح نہ تھے، بلکہ انسانیت کے خادم تھے، اور بندگان خدا کے خیر خواہ اور ہمدرد تھے، ان کے ہاتھوں سے ضرور کچھ لوگ مارے گئے، لیکن اس کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے لوگ امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں، زمین جور وستم سے پاک ہو، اور جو اپنی مرضی سے دین اسلام قبول کرے اس پر ظلم نہ ہو، اسلام نے جنگ کی اجازت ضرور دی ہے، لیکن صرف ان لوگوں سے جو مسلمانوں سے برسر جنگ یا آمادۂ جنگ ہوں، یعنی ارادۂ جنگ رکھتے ہوں، اور اشاعت دین میں مزاحم ہوں، دین اسلام قبول کرنے والوں پر اور اپنی رعایا پر ہر طرح کا ظلم روا رکھتے ہوں، حالت جنگ میں بھی کوئی صلح کی پیش کش کرے تو اسلام نے اسے قبول کرنے کا حکم دیا ہے، اور حالت جنگ کے اخلاقی قوانین طے کردیئے ہیں، جو اس وقت پوری دنیا میں کہیں نہیں پائے جاتے تھے، اور اب بین الاقوامی قانون جنگ میں اس کا عکس پایا جاتا ہے، لیکن اس پر عمل نہیں ہوتا۔

حضرت ابوبکرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو شام کے علاقہ کی ایک مہم پر روانہ فرمایا تو یہ نصیحتیں کیں:

”کچھ لوگ اپنی عبادتوں میں مشغول ہوں گے ان سے تعرض نہ کرنا، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، کسی پھل دار درخت کو نہیں کاٹنا، کسی آبادی کو نقصان نہیں پہنچانا، (صرف فوج سے لڑنا) اگر تمہاری فوج کو غذا کی کمی نہ پیش آجائے اور مجبوری نہ ہو تو کسی کی بکری اور اونٹ کو ذبح نہ کرنا، کسی باغ کو آگ نہ لگانا، کسی حال میں بدعہدی نہ کرنا اور کسی کی لاش کا مثلہ نہ کرنا“۔

مسلم فاتحین نے مفتوح ملکوں میں سب کو مذہبی آزادی دی، غیر مسلموں کے ساتھ بہیمانہ سلوک نہیں کیا، مسلمانوں نے اگر ایسا کیا ہوتا، جیسا عیسائیوں نے اندلس میں کیا تو مفتوح ملکوں میں کوئی غیر مسلم نظر نہیں آتا، بہت سے مفتوح ملکوں میں آج بھی اکثریت غیر مسلموں کی ہے، جیسے ہندوستان میں، یہ اسلام اور مسلمانوں کی رواداری کا سب سے بڑا ثبوت ہے، مسلمانوں کا میدانِ جنگ میں قدم رکھنا شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا تھا، اپنی جان ومال، گھر بار اور عیش وآرام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا تھا، یہ صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے تھا، اسلام کے خلاف جبر وقہر کو ختم کرنے کے لیے تھا، جب وہ میدان جہاد کے لیے نکلتے تھے تو زبان حال سے کہتے تھے۔

جلا کے مشعل جاں ہم جنوں صفات چلے
جو گھر کو آگ لگائے ہمارے ساتھ چلے

حقیقی محبت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک بہت بڑا حق امت پر یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی محبت میں سرشار ہو، وہ محبت عقل و دل کے نہاں خانوں سے پیدا ہو اور اعصاب پر طاری ہو جائے، ہر محبت پر اس محبت کے آگے قربان ہو، قلب و جان کے تقاضے اس کے سامنے ہیچ ہوں، یہاں تک کہ اپنی جان سے زیادہ عزیز و محبوب آپ کی ذات والا شان ہو، پھر محبت قلب و دماغ پر ایسی طاری ہو جائے کہ حضور اقدس ﷺ کی معمولی راحت و آرام کے لیے اپنی ہزار جانیں قربان کرنے کا جی چاہے۔

یہ محبت ایمان کی علامت ہے، خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد سے زیادہ، اس کی اولاد سے زیادہ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں'' (بخاری:۱۵)

اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ (الأحزاب:٦) (نبی کا مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق ہے)

آپ ﷺ کا حق خود ہماری جانوں کے حق سے بڑھ کر ہے، جو آپ کو اپنی جان و مال پر، اپنی خواہشات پر ترجیح نہ دے اس کا ایمان خطرہ میں ہے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، سوائے میری جان کے، آپ نے فرمایا: ''نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس وقت تک نہیں جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''، آپ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے یہ کلمات بجلی بن کر حضرت عمر کے دل پر گرے، اور ان کے دل کی دنیا اسی وقت بدل گئی، انہوں نے فرمایا: ''اب تو خدا کی قسم آپ خود میری جان سے زیادہ مجھے محبوب ہیں''، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں عمر، اب ایمان مکمل ہوا۔ (بخاری:٦٦٣٢)

اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کے جو فوائد ہیں وہ بے حد و حساب ہیں، ان میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی ایک ایک ادا پر قربان ہوتا ہے، اس طرح آپ ﷺ کی اطاعت آسان ہو جاتی ہے، اس کی تفصیلات پہلے گذر چکی ہیں، دوسرا بڑا فائدہ جو ہر محبت کرنے والے کے لیے بڑی بشارت ہے اور وہ بشارت خود زبان نبوت سے دی گئی ہے کہ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے گا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: ''متى الساعة'' (قیامت کب آئے گی) آپ ﷺ نے فرمایا: ''ما أعددت لها'' (تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے) انہوں نے کہا کہ میں نے نماز، روزہ، صدقات و زکاۃ کی کثرت کر کے کوئی بڑی تیاری تو نہیں کی ہے، البتہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''أنت مع من أحببت'' (تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے تمہیں محبت ہے) (بخاری:٦١٧١)

صحابہ فرماتے ہیں کہ اس بشارت کے بعد ہم کو جو خوشی ہوئی وہ اسلام کے بعد کسی چیز سے نہ ہوئی تھی۔

حضرت صفوان بن قدامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہجرت کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنا دست مبارک دیجئے کہ میں آپ سے بیعت کر لوں، آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک عنایت فرمایا، تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ سے محبت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''المرء مع من أحب'' (آدمی جس سے محبت کرے گا اس کے ساتھ ہوگا)

اسی طرح ایک روایت منقول ہے کہ ایک صحابی حاضر خدمت ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کے نبی آپ مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہیں، مجھے آپ کی یاد آتی ہے تو برداشت نہیں کر پاتا جب تک حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کر لوں، مجھے اپنی اور آپ کی موت کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ آپ جنت میں امتیاز کے ساتھ بلند ترین مقام پر ہوں گے، اور اگر میں جنت میں گیا تو میں آپ کو کیسے دیکھ سکوں گا تو اللہ تعالیٰ نے آیتیں نازل فرمائیں:

﴿وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيقًا﴾(النساء: ٦٩) (اور جولوگ اللہ اور رسول کی پیروی کریں گے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء صدیقین وشہداء اور نیکوکار اور یہ کیا ہی خوب ساتھی ہیں)

آپ نے ان صحابی کو بلوا کر یہ آیتیں ان کو سنائیں۔

سچی محبت کی پہلی علامت یہی ہے کہ محبت کرنے والا آپ ﷺ کی ہر چیز کو اپنی ہر چیز پر ترجیح دے، آپ ﷺ کی پوری پیروی کی جائے، سنتوں کا اہتمام ہو اور ہر حال میں آپ ﷺ کی زندگی کو نمونہ بنایا جائے، اپنی خواہشات پر آپ ﷺ کے احکامات کو ترجیح دی جائے، ایک مرتبہ حضرت انسؓ سے خطاب فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا تھا: بیٹے اگر تم کرسکو تو ضرور کرنا کہ تم صبح وشام اس حال میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے بارے میں میل نہ ہو، اس لیے کہ یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ کو زندہ کرے گا تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (سنن الترمذی: ۲۸۹۴)

یہ بھی محبت کی نشانی ہے کہ آپ ﷺ کا کثرت سے تذکرہ ہو، آپ ﷺ سے ملاقات کا شوق ہو اور بکثرت درود شریف پڑھا جائے۔

اور یہ بھی علامات محبت میں سے ہے کہ آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت ہو، حضرات صحابہ، اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ہو، خاص طور پر خلفاء راشدین، حضرات حسنین، آپ کی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات سے دلی محبت وعظمت ہو، آپ ﷺ نے صحابہ سے محبت کو ایمان کی علامت فرمایا اور ان سے بغض کو نفاق کی علامت قرار دیا، حضرات حسنین کے بارے میں فرمایا کہ اے اللہ! مجھے ان دونوں سے محبت ہے تو بھی ان سے محبت فرما، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے عربوں کی محبت کا بھی ذکر فرمایا کہ وہ آپ ﷺ سے قریبی نسبت رکھنے والی قوم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کو دباء (لوکی) پسند تھی، تو مجھے بھی وہ اچھی لگنے لگی۔

یہ محبت کی علامت ہے کہ ہر ہر نسبت رکھنے والی چیز سے محبت ہو، پھر آپ ﷺ کا شہر جس سے خود آپ کو محبت تھی، اس پر جان فدا کرنے کو جی چاہے، اس کے ایک ایک ذرہ سے محبت ہو، یہ سب علامتیں ہیں خود حضور پاک ﷺ سے محبت کی۔

حقیقت میں یہ بھی آپ ﷺ کی محبت کی ایک نشانی ہے کہ آپ کی امت سے محبت ہو، اس پر شفقت ہو، اس کو راہ راست پر لانے کا جذبہ ہو، دنیا کی محبت سے دل خالی ہو، ایک صحابی نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ اے اللہ کے نبی! مجھے آپ سے محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: (اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو فقر کے لیے ڈھال تلاش کرلو) (سنن الترمذی: ۲۵۲۳)

حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی محبت ایمان کا جز اور یہ علامتیں ہیں آپ ﷺ کی محبت کی، جس سے ہر مؤمن اپنا جائزہ لے سکتا ہے کہ یہ محبت اس کے دل کے نہاں خانوں میں اتر چکی ہے یا وہ صرف زبان کی حد تک ہے، اور یہ بھی محبت کی کھلی نشانی ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے اور آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے والے سے ایک نفرت پیدا ہو، ارشاد ربانی ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَـٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَـٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾(المجادلة: ۲۲) (جولوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستیاں کرتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے قبیلے کے لوگ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کردیا ہے اور اپنی خاص رحمت سے ان کی تائید فرمائی ہے اور وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان ہی میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ ہیں اللہ کے لوگ، یاد رکھو! اللہ کے لوگ ہی مراد کو پہنچنے والے ہے)

نوافل-فضائل واحکام

مفتی راشد حسین ندوی

نماز تہجد: آنحضرت ﷺ کو تہجد کا حکم خود قرآن مجید میں دیا گیا ہے: ﴿فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾ نوافل میں تہجد کی نماز فضیلت میں سب سے بڑھ کر ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے'' (مسلم)

ایک دوسری حدیث جو حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم رات والی نماز کو لازم پکڑو، اس لیے کہ یہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ رہا ہے، اور یہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے، گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے، اور برائیوں سے روکنے کا سبب ہے''۔ (ترمذی)

اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہوتی ہے، اور دعائیں قبول کی جاتی ہیں، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب آسمان دنیا میں نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کو عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے اور میں اس کی مغفرت کروں'' (متفق علیہ)

تہجد کا وقت: تہجد کا افضل وقت سو کر اٹھنے کے بعد آدھی رات یا رات کے آخری وقت ہے، اس لیے کہ تہجد کے لفظی معنی ہی نیند قربان کرنے کے ہیں، لیکن اس کا وقت اصلاً عشاء کے وقت سے فجر کے وقت تک رہتا ہے، لہٰذا اگر کسی کی آنکھ سونے کے بعد نصف شب یا اس کے بعد نہ کھلتی ہو تو اس کو چاہیے کہ عشاء کی فرض نماز کے بعد وتر سے پہلے قیام اللیل کی نیت سے دو رکعات یا حسب توفیق اس سے زیادہ پڑھ لے، انشاء اللہ اس کو تہجد کا ثواب ملے گا۔ (شامی: ۱/۵۰۶)

تہجد کی رکعات: تہجد کی کم از کم دو رکعات ہیں، بہتر یہ ہے کہ کم از کم چار رکعات پڑھی جائیں، جہاں تک آنحضرت ﷺ کے معمول کا تعلق ہے تو آپ کثرت سے اٹھ کر رکعات پڑھا کرتے تھے، کئی احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے، بہرحال اگر دو رکعات بھی نصیب ہو جائیں تو انشاء اللہ صلحاء میں شمار ہوگا، چنانچہ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جو رات کو بیدار ہو اور اپنی اہلیہ کو بیدار کرے پھر دونوں دو رکعت نماز پڑھیں تو ان دونوں کو اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والوں مردوں اور عورتوں میں لکھ دیا جائے گا۔ (نسائی، ابن ماجہ) (شامی: ۱/۵۰۶، ہندیہ: ۱/۱۱۲)

چاشت کی نماز: احادیث میں نماز چاشت کی بھی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو چاشت کی نماز بارہ رکعات پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں سونے کا محل تعمیر فرما دیتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

نماز چاشت کی رکعات: بخاری اور مسلم کی احادیث میں نماز چاشت کی ۲/ سے لے کر بارہ رکعات تک ثابت ہیں۔ (دیکھیے: مشکوۃ: ۱/۱۱۵-۱۱۶)

اگر کوئی دو رکعات پڑھ لے تب بھی انشاء اللہ اس کو نماز چاشت کا ثواب ملے گا، لیکن افضل یہ ہے کہ آٹھ رکعات پڑھی جائیں، اور کمال کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ چار رکعات پڑھی جائیں۔ (شامی: ۱/۵۰۵)

نماز چاشت کا وقت: نماز چاشت کا وقت سورج بلند ہونے کے وقت یعنی طلوع کے پندرہ بیس منٹ سے شروع ہو کر زوال سے پہلے تک رہتا ہے، لیکن اس کا افضل وقت چوتھائی دن کے بعد ہوتا ہے، جب سورج خوب روشن اور چمک دار ہو جائے۔ (شامی: ۱/۵۰۵، ہندیہ: ۱/۱۱۲)

نماز اشراق: احادیث میں نماز اشراق کی بھی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص جماعت سے فجر کی نماز پڑھے، پھر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا رہے یہاں تک کہ سورج نکل آئے، پھر دو رکعات نماز پڑھے، تو اس کو حج وعمرہ کا ثواب ملے گا، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مکمل حج وعمرہ کا، مکمل حج وعمرہ کا، مکمل حج و عمرہ کا۔ (ترمذی)

اور حضرت ابو درداء و ابو ذر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے حدیث قدسی نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مخاطب

ہوکر فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو دن کے شروع حصہ میں میرے واسطہ چار رکعات نماز پڑھ لیا کر، میں دن کے آخری حصہ تک تیری کفایت کرتا رہوں گا۔ (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز اشراق دو رکعات یا چار رکعات ثابت ہیں، اور اشراق کا وقت سورج نکلنے کے پندرہ بیس منٹ کے بعد شروع ہوتا ہے۔ (احسن الفتاوی:۳/۴۶۷)

نماز اوابین کی فضیلت: اوابین کی فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز مغرب کے بعد چھ رکعات نماز پڑھے گا اور ان کے درمیان کوئی غلط بات زبان سے نہیں نکالے گا تو یہ چھ رکعات ثواب میں اس کے لیے بارہ سال کی عبادت کے برابر قرار پائیں گی۔ (ترمذی)

اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو مغرب کی نماز کے بعد بیس رکعات نماز پڑھے، اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے مخصوص گھر کی تعمیر فرمادیتے ہیں۔ (ترمذی)

معلوم ہوا کہ اوابین کی نماز کم از کم چھ رکعات اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعات ہیں، اگر کوئی پڑھنا چاہے تو مغرب کے بعد والی دو رکعات سنت مؤکدہ کو بھی ان چھ یا بیس رکعات میں شمار کرسکتا ہے۔ (شامی:۱/۴۹۸)

تحیۃ الوضوء: اس نماز کی فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: جو مسلمان وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے، جن میں مکمل خشوع وخضوع ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت لازم کردیتے ہیں۔ (مسلم)

اس نماز کا صحیح وقت یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد اعضا خشک ہونے سے پہلے پہلے اس کو ادا کرلیا جائے، اگر وضو کرنے کے بعد مسجد میں داخل ہوا اور تحیۃ المسجد وتحیۃ الوضو کی نیت سے دو رکعات پڑھ لیں یا کوئی سنت یا فرض شروع کردی تو اس سے بھی انشاء اللہ تحیۃ الوضو کی نماز ہوجائے گی۔ (شامی:۱/۵۰۴)

تحیۃ المسجد: حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو اسے چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعات نماز پڑھے۔ (ترمذی)

چنانچہ اگر مسجد میں داخل ہو تو مسنون یہ ہے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعات تحیۃ المسجد پڑھے، اگر بیٹھنے کے بعد پڑھے تب بھی اس کی ادائیگی ہوجائے گی، لیکن بیٹھنے سے پہلے پڑھنا مستحب ہے، معلوم ہوا کہ لوگوں نے جو معمول بنا رکھا ہے کہ مسجد میں آکر پہلے بیٹھ جاتے ہیں، پھر اٹھ کر تحیۃ المسجد یا سنن پڑھتے ہیں یہ استحباب کے خلاف ہے۔ اگر کوئی وقت مکروہ مثلاً: فجر یا عصر کے بعد مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تحیۃ الوضو یا تحیۃ المسجد نہیں پڑھی جائے گی، اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد اگر کوئی سنت یا فرض نماز پڑھ لی تو وہ تحیۃ المسجد کی قائم مقامی کرے گی۔ (شامی:۱/۴۹۹-۵۰۰)

صلاۃ التسبیح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: چچا جان! کیا میں آپ کو تحفہ نہ دوں، ہدیہ نہ دوں، کیا آپ کو نہ بتاؤں اور کیا میں آپ کے ساتھ نہ کروں ایسی دس چیزیں کہ جب آپ ان کو کریں گے اللہ تعالیٰ آپ کے اول آخر، پرانے نئے خطا کئے ہوئے عمداً کئے ہوئے، صغیرہ کبیرہ، چھپے ہوئے، اور کھلے ہوئے گناہ معاف فرمادے گا؟ وہ یہ ہے کہ آپ چار رکعات نماز پڑھیں، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورہ پڑھیں، پھر جب پہلی رکعت میں آپ قرات سے فارغ ہوجائیں، تو کھڑے کھڑے پندرہ مرتبہ "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ اللہ اکبر" کہیں، پھر رکوع کریں، پھر رکوع کی حالت میں یہی کلمات دس مرتبہ کہیں، پھر رکوع سے اپنا سر اٹھائیں اور دس مرتبہ ان کو کہیں، پھر سجدہ کریں اور سجدہ کی حالت میں دس مرتبہ کہیں، پھر سجدہ سے اپنا سر اٹھائیں اور دس مرتبہ کہیں، پھر سجدہ کریں اور دس مرتبہ کہیں، پھر سجدہ سے سر اٹھائیں (جلسہ استراحت) میں دس مرتبہ ان کو کہیں، تو یہ ہر رکعت میں ۷۵/تسبیحات ہوجائیں گی، اگر آپ روزانہ پڑھ سکتے ہوں تو پڑھ لیا کریں، اگر نہ کرسکیں تو ہر جمعہ کو ایک مرتبہ پڑھ لیا کریں، اگر نہ کرسکیں تو سال میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کریں، اگر نہ سکیں تو عمر بھر میں ایک مرتبہ پڑھ لیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی)

صلاۃ التسبیح کا دوسرا طریقہ حضرت عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے، اس میں دو سجدوں کے بعد جلسہ استراحت نہیں ہے، اس کی جگہ پر اس میں یہ ہے کہ ثناء پڑھنے کے بعد قرات سے پہلے پندرہ دفعہ، پھر سورہ فاتحہ اور سورہ ملانے کے بعد دس مرتبہ تسبیحات پڑھی

جائیں، اس طرح بھی ایک رکعت میں ۷۵/تسبیحات ہوجاتی ہیں۔ (ترمذی) لیکن پہلا طریقہ کئی روایات سے ثابت ہے۔

صلاۃ التسبیح کسی بھی غیر مکروہ وقت میں پڑھی جاسکتی ہے، لیکن زوال کے بعد پڑھنا افضل ہے۔ (شامی:۱/۵۰۸)

صلاۃ التسبیح میں کسی خاص سورہ کو مقرر نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ فقہاء نے ان سورتوں کو افضل کہا ہے، جن کی ابتداء میں تسبیح کا ذکر ہے، جیسے سورۂ حدید، حشر، صف اور جمعہ وغیرہ، تسبیحات زبان سے گنیں تو نماز فاسد ہوجائے گی، البتہ یاد نہ رہیں تو یہ کرسکتا ہے کہ انگلیوں کو اپنی حالت میں رکھتے ہوئے ہر تسبیح پر ایک انگلی دبادے۔ (شامی:۱/۵۰۸)

بقیہ: برد باری و نرم دلی

.....اس لیے ہر مسلمان پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر کچھ کرنے کا عزم رکھے اور کسی میدان میں ہمت نہ ہارے، کیونکہ یہ مومن کی مردانگی کے خلاف بات ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو محنت کرنے کا حکم دیا ہے جس کے نتائج خود اللہ تعالیٰ نکالنے پر قادر ہے، جو کہ ہر چیز پر قادر ہے، اور جو شخص اللہ کے لیے محنت کرنے کی سوچ لے تو اس کے لیے راہیں از خود کھلتی چلی جائیں گی۔

نرمی کے تعلق سے بالخصوص دعوت کا کام کرنے والوں کو اس بات کا پورا خیال رکھنا چاہیے کہ ایسا معاملہ کریں کہ لوگوں کی اصلاح بآسانی ہوجائے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں سختی کا موقع ہو وہاں پر سختی بھی اختیار کی جائے، کیونکہ یہ دونوں مثالیں صحابہ کے یہاں ملتی ہیں، لیکن اصل یہ ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ نرمی کو اختیار کرے کیونکہ رسول ﷺ نے اکثر معاملات میں نرمی ہی کو اختیار کیا ہے، کیونکہ جو فوائد نرمی سے وابستہ ہیں وہ سختی پر نہیں ہوسکتے، اور اللہ اس میں برکت بھی عطا فرماتا ہے، فرمایا گیا: اللہ تعالیٰ خود رفیق ہے، اور نرمی ہی پسند بھی فرماتا ہے۔

لیکن یہ واضح رہے کہ نرمی کا اطلاق مواقع کے اعتبار سے کیا جاتا ہے، مثلاً: حدیث میں عورتوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کی مثال شیشہ سے دی گئی ہے تو جس طرح شیشہ کی حفاظت بہت نازک طریقہ پر کی جاتی ہے اسی طرح عورتوں کے ساتھ معاملہ برتنا بھی نرمی میں شامل ہے، اسی طرح سے کوئی شخص میدان جنگ میں دشمن کو اللہ کے لیے مار رہا ہے تو اس کے ساتھ نرمی یہ ہے کہ اس کا مثلہ نہ کیا جائے، اسی طرح جانور کے ذبح کرتے وقت اس کے ساتھ نرمی یہ ہے کہ انسان تیز دھاری چھری سے جلدی ذبح کرے وغیرہ وغیرہ۔

تہذیب اسلامی کی خصوصیات

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ

ہماری تہذیب ''عقیدۂ توحید'' کی اساس پر قائم ہے، چنانچہ یہ اولین تہذیب ہے جو ''الہ واحد'' کی طرف دعوت دیتی ہے، جس کی بادشاہی اور حکومت میں کوئی شریک نہیں۔ اس عقیدہ کا اسلامی تہذیب پر اتنا زبردست اثر پڑا کہ وہ تمام پہلی اور پچھلی تہذیبوں سے ممتاز ہوگئی، اور اپنے عقائد، نظم ونسق اور شعر وادب میں بت پرستی کے تمام مظاہر وآداب سے پاک ہوگئی۔

اس عقیدۂ توحید نے وحدت کا وہ رنگ پیدا کیا جس کی چھاپ ہماری تہذیب کے جملہ آثار واسباب اور تفصیلی مظاہر پر ثبت ہے، اسی لیے یہاں پیغام اور نصب العین میں وحدت ہے، قانون سازی میں وحدت ہے، مقاصد عامہ میں وحدت ہے، معاشرت کی مجموعی ہیئت میں وحدت ہے، حتی کہ فنون اسلامی کے اسلوب وذوق میں بھی وحدت کارفرما ہے۔

ایک اہم خصوصیت ہماری تہذیب کی یہ ہے کہ اس نے اخلاقی اصولوں کو اپنے پورے نظام اور اپنی ساری سرگرمیوں میں اولین مقام عطا کیا ہے، ان اصولوں سے کبھی بھی صرف نظر نہیں کیا ہے، اور انھیں حکمرانوں، جماعتوں یا افراد کی مادی منفعت کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا، حکومت، علوم وفنون، قانون سازی، صلح وجنگ، اقتصادیات اور عائلی معاملات میں، اخلاقی اصولوں کی تطبیق کو ہمیشہ مدنظر رکھا گیا ہے، بلکہ اسلامی تہذیب اس معاملہ میں جس حد کمال کو پہنچی ہے اس تک کوئی جدید یا قدیم تہذیب نہیں پہنچی، اور اس ضمن میں اس تہذیب نے جو آثار چھوڑیں ہیں وہ حیرت انگیز ہیں بلکہ یہ ایسی واحد تہذیب ہے جس نے انسانیت کے لیے خالص سعادت کی ضمانت دی ہے اور بدبختی کے سایہ سے بھی بچایا ہے۔''

نماز کی اہمیت

خلیل احمد حسنی ندوی

نماز جو ایک مسلمان کے لیے روح کا درجہ رکھتی ہے،، نماز جو ہر متقی کے اللہ سے تقرب کا ذریعہ ہے ارشاد نبوی ہے، الصلاۃ قربان کل تقی ،نماز جس میں آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، ارشاد نبوی ہے ،جعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ ،میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھدی گئی ہے، نماز جس کی تاکید آپ ﷺ نے مرض وفات میں بھی فرمائی، ارشاد فرمایا، الصلاۃ وما ملکت ایمانکم، نماز کا اہتمام کرتے رہنا اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہنا، نماز جو دین کا ستون ہے، ارشاد نبوی ہے، الصلاۃ عماد الدین ، نماز جو ایک مومن کے چہرے کا نور ہے، ارشاد نبوی ہے، الصلاۃ نور المؤمن ،نماز جو اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل ہے، ارشاد نبوی ہے، بین العبد وبین الکفر ترك الصلاۃ ،انسان اور کفر کے درمیان صرف نماز چھوڑ دینے کی کسر ہے، ایک دوسری حدیث شریف میں ہے، من ترك الصلاۃ متعمدا فقد کفر ،جس نے عمدا نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا، نماز جو شیطان کا منھ سیاہ کرتی ہے، ارشاد نبوی ہے، الصلاۃ تسود وجہ الشیطان ،نماز جو ایک مومن کی معراج ہے، نماز جو کفارہ گناہ ہے، ارشاد نبوی ہے، الصلوات الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ وأداء الامانۃ کفارۃ لما بینھا ،نماز جو ایمان کی ترازو ہے، ارشاد نبوی ہے، الصلاۃ میزان ،نماز جو پل صراط پر گزرنے والے کے لیے روشنی کا کام انجام دیتی ہے، ارشاد نبوی ہے، الصلاۃ علی نور علی الصراط ،نماز جو نہ صرف گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے بلکہ رفع درجات کا سبب بھی ہے، ارشاد نبوی ہے، أ لا أدلکم علی ما یرفع اللہ عزوجل بہ الدرجات ویکفر بہ الخطایا کثرۃ الخطی الی المساجد وانتظار الصلاۃ بعد الصلاۃ واسباغ الوضوء علی المکارہ کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں جس کے کرنے سے اللہ تعالی تمہارے درجات بلند کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا، مساجد کی طرف زیادہ قدم بڑھانا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور دل نہ چاہتے ہوئے بھی وضو کرنا، مذکورہ بالا احادیث کا ماحصل یہ ہے کہ نماز نجات کی شرط ہے، ایمان کی محافظ ہے، زہد وتقوی کی بنیادی شرط ہے۔

ایک طرف یہ احادیث ہیں جو نماز کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں دوسری طرف خود قرآن کریم بھی نماز اور نمازیوں کے تذکرے سے بھرا ہوا ہے۔

متقیوں کی صفات قرآن کریم میں یہ بیان کی گئی ہیں، الٓمٓ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۔الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ۔ الم، یہ کتاب (کہ) کوئی شبہ اس میں نہیں، ہدایت ہے (اللہ) سے ڈر رکھنے والوں کے لیے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

نمازیوں کی کامیابی کا تذکرہ قرآن کریم میں یوں ملتا ہے، قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ،بامراد ہوا وہ جو پاک ہوا اور اپنے پروردگار کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا، دوسری جگہ ارشاد ہے، وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ،اور جن کو آخرت کا یقین ہے وہ اس کو مانتے ہیں اور وہ لوگ اپنی نمازوں کی پابندی کرنے والے ہیں۔

برے اخلاق والوں سے نمازیوں کو مستثنی قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے، إِلَّا الْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ،ہاں البتہ وہ نمازی (اس حکم میں داخل نہیں) جو اپنی نمازوں میں برابر لگے رہتے ہیں۔

نماز برائی سے روکتی ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے، وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ،اور نماز کو قائم رکھیں ،بلاشبہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

نماز نہ پڑھنا جہنم میں پہنچاتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے، مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ، قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ، تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لائی؟ وہ کہیں گے، ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔

نماز میں سستی وکاہلی کو قرآن کریم میں منافقین کی صفت قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے، إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ

خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا، بیشک منافقین تو اللہ سے چال چل رہے ہیں، حالانکہ اللہ انہی کی چالوں کو ان پر الٹ رہا ہے، اور یہ لوگ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں، (صرف) لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کی یاد کچھ یوں ہی سی کرتے ہیں۔

ہمارے آقا سرور کائنات، رحمت عالم، حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں نماز کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل واقعات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ جب بھی کہیں کا سفر فرماتے تو سفر شروع کرنے سے پہلے نماز پڑھتے، اسی طرح جب آپ ﷺ سفر سے واپس ہوتے تو سب سے پہلے اللہ کے گھر میں جا کر نماز ادا فرماتے۔ آپ ﷺ سورج گرہن اور چاند گرہن کے موقع پر بھی نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ جب آپ ﷺ کو کسی خاص مسئلہ کا سامنا ہوتا تھا تو آپ ﷺ فوراً نماز کی طرف توجہ فرماتے تھے، حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ کو پریشانی درپیش ہوتی تو فوراً نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے، حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ جب کبھی رات کو تیز ہوا چلتی تو آپ ﷺ مسجد کی طرف رخ فرماتے اور تک ہوا تھم نہ جاتی وہیں تشریف رکھتے۔

آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں نماز کی کیا اہمیت تھی اس کا اندازہ مرض وفات میں پیش آئے اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سیرت رسول اکرم میں رقمطراز ہیں:

”آمد و رفت کی قوت جب تک رہی آپ ﷺ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے، سب سے آخری نماز جو آپ ﷺ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی، سر میں درد تھا، اس لیے سر میں رومال باندھ کر آپ ﷺ تشریف لائے اور نماز ادا کی جس میں سورہ والمرسلات عرفا قراءت فرمائی، عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہوچکی؟ لوگوں نے عرض کی کہ سب کو حضور ﷺ کا انتظار ہے، لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا، پھر اٹھنا چاہا کہ غش آگیا، افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ نماز ہوچکی؟ لوگوں نے پھر وہی پہلا جواب دیا، آپ ﷺ نے پھر غسل فرمایا، اور پھر جب اٹھنا چاہا تو غش آگیا، افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا، اور لوگوں نے وہی جواب دیا، تیسری مرتبہ جسم مبارک پر پانی ڈلا اور پھر جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہوگئی، جب افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا، ابوبکر نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں، آپ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا، آپ ﷺ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں، چنانچہ کئی دن تک حضرت ابوبکر نے نماز پڑھائی، وفات سے چار دن پہلے ظہر کی نماز کے وقت آپ ﷺ کی طبیعت کچھ سکون پذیر ہوئی، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پانی کی سات مشکیں آپ ﷺ پر ڈالی جائیں، غسل فرما چکے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھام کر مسجد میں لائے، جماعت کھڑی ہوچکی تھی، اور حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے، آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے آپ ﷺ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی، آپ ﷺ کو دیکھ کر حضرت ابوبکر اور حضرت ابوبکر کو دیکھ کر اور لوگ ارکان نماز ادا کرتے جاتے تھے۔

ایک طرف حضور ﷺ کو نماز سے اتنی زیادہ رغبت ہے اور دوسری طرف آپ سے محبت کا دعوی کرنے والی آپ کی امت اسی میں سب سے زیادہ کوتاہ ہے۔ محبت کا دعوی کرنے والی امت کا رشتہ نماز سے کتنا ٹوٹ چکا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کبھی وہ شادی کی تقریبات کو نماز پر مقدم کرتی نظر آتی ہے، کبھی حالت سفر میں لوگ کیا کہیں گے کی پرواہ کرتی نظر آتی ہے، کبھی جاڑے میں ٹھنڈک کا عذر پیش کرتی نظر آتی ہے تو گرمی میں لو لگنے کا بہانا بناتی نظر آتی ہے۔

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے تو ہیں لیکن ان کے حصے میں صرف قیام و سجود ہی آتا ہے، ان کو اس کا استحضار نہیں ہوتا کہ کس ذات اقدس کے سامنے کھڑے ہیں، کس سے مناجات کر رہے ہیں، کس کو رکوع و سجود کر رہے ہیں، کتنا بابرکت کلام پڑھ رہے ہیں، کون سی تسبیحات پڑھ رہے ہیں، نماز پڑھنے کا کیا فائدہ ہے، اس کے کیا اثرات ہماری زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔

یہی نماز ہے جس میں ایمان و دین کی حفاظت، اللہ تعالی سے تعلق، دائرہ اسلام میں رہنے اور جماعت مومنین میں شمولیت کی حفاظت و سلامتی کا راز پوشیدہ ہے، اللہ تعالی ہم کو عمل کی توفیق دے۔

فرشتوں پر ایمان

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزاً يَوْماً لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ، فَقَالَ: مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَبِلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ". (صحيح البخاري: ٥٠)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے، تو آپ کے پاس حضرت جبرئیل تشریف لائے اور فرمایا: ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، آخرت پر، اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر۔

فائدہ:- ایمان باللہ کے ساتھ فرشتوں پر ایمان لانا بھی ایمان کا ایک لازمی جز ہے، فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک نورانی مخلوق ہیں، ان کی تخلیق کا مقصد محض عبادت الٰہی ہے، ان کی طبائع انسانی طبیعتوں سے بالکل مختلف ہیں، نہ ان کو کھانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی دیگر ضروریات سے ان کا کوئی واسطہ ہے، بلکہ ان کا کام صرف اللہ کا حکم بجالانا ہے، ان کی صحیح تعداد کا علم صرف اللہ کو ہے، البتہ قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی متعدد قسمیں ہیں۔

فرشتوں کی ایک قسم وہ ہے جس کا کام صرف انسانوں کی حفاظت ہے، کچھ فرشتے ایسے ہیں جن کا کام لوگوں کے اعمال قلم بند کرنا ہے، کچھ وہ ہیں جن کا کام قبر میں سوال جواب کرنا ہے، اسی طرح ان کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو جنت ودوزخ پر مامور ہیں، اس کے علاوہ بعض وہ عظیم المرتبت فرشتے بھی ہیں جو عرش الٰہی کو تھامے ہوئے ہیں، قرآن مجید میں ان کو "حملة العرش" کے نام سے یاد کیا گیا ہے، ان فرشتوں میں چار فرشتے نہایت عظیم المرتبت ہیں: (۱) حضرت جبرئیل علیہ السلام (۲) حضرت میکائیل علیہ السلام (۳) حضرت عزرائیل علیہ السلام (۴) حضرت اسرافیل علیہ السلام، ان میں سے اول الذکر دو کا نام خود قرآن مجید میں مذکور ہے، جن میں سے اول کے ذمہ رسولوں تک وحی اور پیغامات کا لانا ہے، اور دوسرے کے ذمہ رزق کی تقسیم اور بحکم الٰہی بارش برسانا، اسی طرح آخر الذکر دو فرشتوں کا نام احادیث سے معلوم ہوتا ہے، جن میں سے حضرت عزرائیل کا کام روح قبض کرنا ہے، اور حضرت اسرافیل اپنے منھ میں صور لیے ہوئے قیامت کے منتظر ہیں۔

فرشتوں کے سلسلہ میں واضح رہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک معصوم نورانی مخلوق ہیں، جو رب العالمین کے احکام سے ادنی درجہ بھی عدول کرنے سے قاصر ہیں، ان کی یہ صفت اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے، ان کے اختیار میں نہ کسی بندہ کی مغفرت وبخشش ہے اور نہ ہی بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے کسی امر کی تنفیذ، ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَن فِي الْأَرْضِ أَلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (الشوری:۵) (اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں، سن لو اللہ ہی ہے جو بہت بخشنے والا، نہایت رحم فرمانے والا ہے)

معلوم ہوا کہ فرشتوں کا کام رب العالمین کی تسبیح بیان کرنا اور روئے زمین پر بسنے والوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ہے، نہ کہ بندوں کی مغفرت کرنا، لہٰذا یہ بات صاف ہوگئی کہ فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب ان کو خدائی میں شریک کرنا نہیں بلکہ ان کو خدا تعالیٰ کی ایک ایسی نورانی مخلوق ماننا ہے، جن کا کام احکام الٰہیہ کی تنفیذ ہے، اس سے انحراف کرنا ان کے اختیار سے باہر ہے۔

فرشتوں کے مقابل انسان کو اللہ تعالیٰ نے "اختیار" کی صفت عطا فرما کر افضلیت بخشی ہے، اسی لیے اگر کوئی انسان گناہوں سے بچ کر تقوی والی زندگی اختیار کرتا ہے تو یہ اس کے لیے بڑی فضیلت کی بات ہے، کیونکہ انسان نے اپنی اختیاری صلاحیت میں صحیح چیز کو ترجیح دی، بمقابلہ فرشتوں کے جن کے اندر اختیار کی صفت ہی نہیں، البتہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمام انسان فرشتوں سے افضل ہیں، بلکہ جن لوگوں کی زندگیاں تزکیہ نفس کا اعلیٰ معیار ہیں، اگر ان سے کبھی کوئی غلطی ہو بھی جاتی ہے تو فوراً توبہ کرتے ہیں، وہ لوگ فرشتوں سے افضل ہوں گے، نہ کہ وہ جس نے خالق حقیقی سے اپنا رشتہ توڑ رکھا ہو اور اپنے مقصد زندگی سے غافل ہو۔

مسلم ووٹوں کی سیاست

محمد نفیس خاں ندوی

ہندستان کی تاریخ میں مسلمانوں کا ہمیشہ کلیدی کردار رہا ہے، اس ملک کو سنوارنے اور اس کو کامیابی کی بلندی تک پہنچانے میں انھوں نے عظیم قربانیاں دی ہیں، لیکن آزادی کے بعد سے مسلمانوں کی حیثیت محض سیاسی مہروں کی طرح رہ گئی ہے، جن کا استعمال چھوٹی بڑی پارٹیاں اپنے مفاد میں کرتی رہی ہیں، آزادی کے بعد سے مسلمان سیاسی، سماجی، تعلیمی، معاشی، ہر طرح کے مسائل سے دوچار ہیں، جس کی سنگینی کا اندازہ ''سچر کمیٹی رپورٹ'' سے بخوبی کیا جاسکتا ہے، مسلمانوں سے ہمدردی کے اظہار میں یہ کمیٹی تشکیل دی گئی تھی یا یوں کہیے کہ سیاست کی بساط پر ایک چال چلی گئی تھی یہی وجہ ہے کہ اس رپورٹ کے آنے تک ''مسلم ہمدردی'' کا یہ جذبہ سرد پڑ گیا۔

آزادی کے بعد سے ملک کی قیادت ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھ میں رہی اور وہ طبقہ قوم وملک سے زیادہ اپنے خاندان اور اپنی برادری کی خوشحالی کی فکر میں لگا رہا، اپنے مفاد کی خاطر اس نے فسادات کروائے، مذہبی منافرت کو عام کیا، طبقہ واریت کو فروغ دیا اور معاشرہ کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کردیا، لیکن ادھر چند سالوں سے ملک کا سیاسی منظر نامہ خاصا تبدیل ہوا ہے، چنانچہ ملک کا وہ طبقہ جو کل تک اقتدار کے دسترخوان پر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کا بھی روادار نہ تھا اور جس کو معاشرہ میں اچھوت، آدی باسی، دلت اور پسماندہ کہہ کر الگ تھلگ کردیا گیا تھا آج وہ اقتدار کا مضبوط دعویدار ہے، اور گذشتہ مختلف انتخابات میں اس نے کامیابی کے جھنڈے بھی گاڑے ہیں۔

لیکن اس پورے سیاسی منظر نامہ میں مسلمانوں کی حیثیت ابھی بھی سیاسی مہروں کی ہی ہے، پچیس کروڑ کی بڑی اقلیت میں ہونے کے باوجود بھی وہ بے وزن اور بے معنی ہیں بلکہ وہ اس بحث کا موضوع ہیں کہ ان کو اس ملک میں رہنے کا حق ہے بھی یا نہیں؟ وہ دیش کے وفادار ہیں یا غدار ہیں؟ اور پھر مسلمانوں کی ساری صلاحیتیں ان سوالوں کے جوابات ڈھونڈنے اور اپنے دامن کی پاکیزگی کو ثابت کرنے میں گذر جاتی ہیں۔

آج مسلمان اس پوزیشن میں نہیں کہ حکومت سے اپنی کوئی بات منوا سکیں، گرچہ آئین میں ان کو وہ حق حاصل ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اب تو اتنے پسماندہ ہوچکے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی پارٹیوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہیں، جب بھی نئی حکومت کی تشکیل ہوتی ہے تو وہ مختلف خوش فہمیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اور ایک مایوس، مجبور، بے کس رعیت کی طرح حکومت کی نوازشوں اور کرم فرمائیوں کی امید لگا بیٹھتے ہیں، اور پھر اپنی قومی خامیوں اور سیاسی کوتاہیوں کو ''ریزرویشن'' کے ذریعہ پر کرنا چاہتے ہیں۔

ہندوستانی مسلمان گذشتہ تقریباً ستر سالوں سے مختلف سیاسی پارٹیوں کے پرچم تلے اپنا مستقبل ڈھونڈتے رہے ہیں، سیکولرزم کے نام پر ہر پارٹی کو انھوں نے اپنا مسیحا سمجھا، وہ کبھی اس پارٹی تو کبھی اس پارٹی کی ڈفلی بجاتے رہے اور وہ پارٹیاں ''ہندوتوا'' کا ہوّا کھڑا کرکے اپنا سیاسی فائدہ اٹھاتی رہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کوئی بھی پارٹی ان کے تئیں سنجیدہ نہیں ہے۔

اس طویل مدت میں مسلمانوں کے سیاسی استحکام اور ان کے مسائل کو لے کر متعدد اہم شخصیات سامنے آئیں اور انھوں نے مختلف نسخے بھی پیش کیے، کچھ نے مسلمانوں کی سیاسی پسماندگی کی ایک وجہ یہ بتائی کہ ان کے پاس آج کوئی لیڈر نہیں، قیادت کے فقدان نے ان کو صحیح رہنمائی سے محروم کر رکھا ہے، جب کہ گلی گلی، کوچہ کوچہ میں مسلمانوں کے اتنے نام نہاد لیڈر موجود ہیں جن کا ماضی میں تصور بھی نہ تھا۔ سیاسی ذہن رکھنے والوں کا کہنا ہے کہ جب تک مسلمان سیاسی اعتبار سے یک جٹ نہیں ہوجاتے ان کے مسائل حل نہیں ہوسکیں گے۔ کسی نے کہا کہ ضرورت ہے کہ مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں تب ہی اصلاح ممکن ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کی اپنی

سیاسی پارٹی ہی ان مسائل سے نجات دلاسکتی ہے، اس طرح کے نہ جانے کتنے نسخے ہیں جو قوم کے ''بہی خواہوں'' نے تجویز کیے لیکن افسوس کہ سارے نسخوں کے ساتھ یہ بھی شرط ہوتی ہے کہ جو کچھ بھی ہو ہماری ہی قیادت میں ہو اور ہمارے ہی بینر تلے ہو!

آج ہندستان کی سیاست میں کئی مسلم پارٹیاں سرگرم ہیں، ان پارٹیوں کا منشور گرچہ نہایت سنجیدہ اور ٹھوس ہے لیکن ان قائدین کی عجلت پسندی، ناتجربہ کاری اور بے صبری ہر موڑ پر ناکام کردیتی ہے، اُن کی تقریریں اور بیانات جذباتیت سے لبریز ہوتے ہیں، جن سے وقتی حرارت ضرور پیدا کی جاسکتی ہے اور کچھ وقت کے لیے ان کی تحسین وآفرینی بھی کی جاسکتی ہے لیکن سیاست کے میدان میں جذباتیت سے کہیں زیادہ عملی کوششوں کی اہمیت ہے۔ اور اگر بات غلط نہ ہو تو مسلم قائدین کی ایک عمومی کمزوری یہ بھی ہے کہ وہ زمینی سطح پر کام کرنے کے بجائے بیان بازیوں کو ہی کامیابی کی کنجی سمجھ لیتے ہیں، ممکن ہے اس سے کچھ ظاہری فائدہ محسوس ہتا ہو لیکن اس کے گہرے اور دوررس اثرات مسلمانوں کے خلاف ہی جاتے ہیں، اس لیے مسلم قیادت کی سب سے بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام سے رابطہ مضبوط کرے، اور انسانی بنیادوں پر ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرے اس کے بعد ہی انتخابات میں ان کے مؤثر کردار کی امید کی جاسکتی ہے۔

اس بات سے قطعی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سیاست بھی دین کا ایک اہم حصہ ہے اور مسلمانوں کو اس میدان میں بھی مخلص اور مضبوط قیادت کی ضرورت ہے اور یہ کام علماء کی سرپرستی اور ان کی نگرانی میں ہی ممکن ہے، یا پھر ایسے علماء سیاست کے میدان میں آئیں جو پوری یکسوئی اور لگن کے ساتھ زمینی محنت کرسکیں، اور اسے دین کی ایک اہم خدمت کے طور پر اپنے مشن میں شامل کریں، ماضی میں ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ انہیں علماء نے مسلمانوں کی قیادت کی، ان کے سیاسی دھارے کو ایک مثبت ومؤثر رخ دیا، انھیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی سعی پیہم کی، اور ان کے قومی وملی مسائل کے حل میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔

صوبہ اتر پردیش میں انتخابات کے دن قریب آچکے ہیں، سیاسی پارٹیاں متحرک ہیں اور مسلمانوں کو لبھانے میں یکسو ہوچکی ہیں، وعدوں وعیدوں کا سلسلہ جاری ہے، کارنامے بھی گنائے جارہے ہیں اور مظالم کا بیان بھی ہورہا ہے، تائید ومخالفت کی فضا قائم ہے، الغرض جتنے منھ اتنی باتیں! لیکن کسی بھی سیکولر پارٹی کا دامن صاف ستھرا نہ ہونے کی وجہ سے مسلم عوام اس کشمکش میں گرفتار ہیں کہ وہ کس پارٹی کو ووٹ دیں؟ اور جو مسلم پارٹیاں ہیں ان کی ساخت ابھی بہت ہی ہلکی اور عوام میں ان کی گرفت بہت ہی کمزور ہے۔

بلاشبہ مسلم قائدین اپنے مطالعہ اور اپنے جائزوں کے بعد کسی نہ کسی پارٹی کی حمایت کا اعلان کررہے ہیں، لیکن ہر قائد کا اپنا ذاتی تجربہ اور ذاتی نظریہ ہے، کیونکہ علاقوں کے حالات بھی مختلف ہیں، اور سیاسی مسائل وتقاضے بھی مختلف ہیں، ایسی صورت میں نہ کسی ایک ہی پارٹی پر سب کا اتفاق ہوسکتا ہے اور نہ عملاً یہ ممکن ہے۔

سیاسی ماہرین کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کو کسی ایک سیکولر پارٹی کے بجائے پارٹی کے نمائندوں پر توجہ مبذول کرنی چاہیے، کسی بھی پارٹی کی مکمل تائید سے بہتر ہے کہ اپنے علاقہ کے ایسے امیدوار کی حمایت کریں جس کے دامن پہ جرائم کی چھینٹ کم سے کم ہو، اور جس کے اندر خدمت انسانی کا جذبہ نسبتاً زیادہ موجود ہو، پھر اس نمائندہ کا تعلق خواہ کسی بھی سیکولر پارٹی سے ہو، اور جہاں ایسے سیکولر نمائندے نہ ہوں وہاں مسلمانوں کو ایسے نمائندے تیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

سچ پوچھئے تو سیاست یا حکومت مسلمانوں کا مطلوب نہیں ہے بلکہ نیک اعمال کے بدلے یہ رب العزت کی طرف سے ایک انعام ہے، اس ناحیہ ہندستانی سیاست مسلمانوں کے لیے محض ایک خارجی ضرورت ہے۔ اور تجزیہ بھی یہی بتاتا ہے کہ مسلمانوں کے بمشکل بیس فیصد مسائل ہی ایسے ہیں جن کا تعلق براہ راست سیاست سے ہے جبکہ باقی اسی فیصد مسائل خود انھیں کے پیدا کردہ ہیں، اور ان کا حل بھی صرف انھیں کے پاس ہے، بس ضرورت ہے اسلامی تعلیمات کو سنجیدگی سے سمجھنے اور اس کو سختی سے عملی زندگی میں نافذ کرنے کی:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ﴾

(تم میں جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے بھلے کام کیے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور زمین میں حاکم بنائے گا جیسا اس نے ان کے پہلوں کو حاکم بنایا)

جو دلوں کو فتح کرلے

ابوالعباس خاں

وہ سمرقند کا سب سے بڑا پادری تھا، اس کا فرمان شاہی فرمان سے بڑھ کر تھا، اس کی حکمرانی لوگوں کی روحوں پر تھی، گردنیں اس کے سامنے جھکی رہتیں، آوازیں پست رہتیں، دل کی دھڑکنیں تیز رہتیں، اور پورا ملک باادب وسرنگوں رہتا! کیونکہ اس ملک میں اسے حضرت عیسیٰ کا نائب سمجھا جاتا تھا، لیکن.....لیکن آج اس کی دنیا ہی بدلی ہوئی ہے، نہ آنکھوں میں نیند، نہ دل میں قرار، بس ایک الجھن اور ایک اضطراب! اب کیا ہوگا؟ مسلم فوجیں شہر میں داخل ہوچکی ہیں، قبضہ مکمل ہوچکا ہے، اسلامی پرچم لہرا رہا ہے، گلی کوچوں سے اذانیں سنائی دے رہی ہیں، اور.....اپنے سر کے بال نوچتے نوچتے وہ رک گیا، اسے امید کی ایک کرن نظر آئی، کاغذ قلم اٹھایا اور خلیفۃ المسلمین کے نام ایک رقعہ تحریر کیا، اور منھ اندھیرے ہی قاصد کو روانہ کردیا۔

قاصد سرپٹ گھوڑا دوڑاتا رہا اور بہت جلد ہی دمشق کی ایک عالیشان عمارت کے پاس جا پہنچا، لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا یہ عالی شان محل مسلمانوں کے حاکم کا ہے؟ جواب ملا کہ یہ تو جامع مسجد ہے، خلیفہ کا مکان ادھر سامنے کی گلی میں ہے، قاصد بتائے ہوئے پتہ پر پہنچا، وہاں ایک سادہ سا کچا مکان تھا، اور ایک معمولی سا شخص سیڑھی پر چڑھ کر چھت کی لپائی کررہا تھا، قاصد نے سوچا کہ شاید وہ راستہ بھٹک گیا ہے یا اس کے ساتھ مذاق کیا گیا ہے، واپس مسجد کے پاس پہنچا اور پھر سے پتہ معلوم کیا، لوگوں نے یقین دلایا کہ وہی خلیفہ کا گھر ہے اور وہی شخص خلیفۃ المسلمین ہے۔ قاصد بالکل ششدر تھا کہ آخر ماجرا کیا ہے، اتنی عظیم الشان مملکت کا حاکم اور اتنا مفلوک الحال! نہ جسم پر شاہانہ لباس ہے، اور نہ مکان کی شان وشوکت! نہ جانے کیسے کیسے سوالات تھے جو اس کے دل ودماغ جھنجوڑ رہے تھے، آخر کار اس نے ان سارے خیالات کو زور سے جھٹک دیا اور بے دلی کے ساتھ پھر اسی جگہ پر پہنچا، کنڈی کھٹکھٹائی تو گھر سے وہی شخص نمودار ہوا، قاصد نے پادری کا تحریری پیغام پیش کیا، خلیفہ نے خط کو پڑھا اور اپنی مہر کے ساتھ اسی پر فرمان جاری کردیا:

عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے سمرقند میں تعینات حاکم کے نام!
ایک قاضی کا تقرر کرو جو پادری کی شکایت سنے اور فیصلہ کرے۔ والسلام

کاغذ کا یہ ٹکڑا کیا کام کرے گا، اتنا بڑا لشکر اور یہ معمولی سا فرمان! خیالات میں ڈوبا ہوا قاصد اداس طبیعت اور بوجھل قدموں کے ساتھ واپس لوٹا۔ پادری جو پہلے ہی سے منتظر تھا، جھٹ سے آگے بڑھا اور خط کو بار بار پلٹنے لگا، ہاں جواب تو اسی نے لکھا ہے جس کے نام خط تھا لیکن.....اسے دنیا اندھیر لگنے لگی، اب کیا ہوگا؟ امید کی یہی تو آخری کرن تھی، یہ تو بس ایک رسمی سا فرمان ہے، پھر بھی چلو دیکھیں کیا تماشا ہوتا ہے۔

پادری نے خلیفہ کا فرمان حاکم سمرقند کو پیش کیا، حاکم نے فوراً حکم دیا کہ جمیع کو قاضی متعین کیا جاتا ہے کہ وہ پادری کی شکایت سنیں، فوراً تعمیل ہوئی اور اسی موقع پر عدالت قائم ہوگئی، ایک چوبدار نے عظیم الشان لشکر کے سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کو آواز دی، کسی طرح کا کوئی لقب اختیار نہیں کیا گیا، قتیبہ حاضر ہوئے اور پادری کے بغل میں کھڑے ہوگئے۔

قاضی نے پادری سے پوچھا کہ تمہارا کیا دعویٰ ہے؟

پادری نے کہا: قتیبہ نے ہمارے شہر پر جو فوج کشی کی ہے وہ اسلامی اصول کے خلاف ہے، کیونکہ انھوں نے نہ ہمیں پیشگی کوئی اطلاع دی، نہ ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، اور نہ صلاح ومشورہ کی مہلت دی۔

قاضی نے قتیبہ کو مخاطب کیا: پادری کے اس دعوی کے سلسلہ میں تم کیا کہتے ہو؟

قتیبہ نے کہا کہ آس پاس کے علاقہ فتح ہوچکے تھے، اور ہمیں یقین تھا کہ یہ لوگ بھی جنگ ہی کریں گے، چونکہ یہ بہت ہی اہم علاقہ تھا اس لیے ہم نے موقع کا فائدہ اٹھایا اور.....

قاضی نے قتیبہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا کہ جو پوچھا گیا ہے اس کا جواب دو۔ کیا تم نے اسلام کے اصول جنگ کی پاسداری برتی تھی؟ کیا پادری کی بات سچ ہے؟

قتیبہ نے سر جھکا لیا اور کہا کہ ہاں مجھ سے غلطی ہوئی ہے، پادری نے جو کچھ کہا سب صحیح ہے۔

قاضی نے کہا کہ چونکہ تم اعتراف کرتے ہو اس لیے کسی دلیل یا گواہ کی ضرورت نہیں ہے، اسلام کی خوبی فتوحات نہیں ہے بلکہ عدل وانصاف کا قیام ہے، لہٰذا یہ عدالت یہ فیصلہ سناتی ہے کہ تمام مسلمان فوجی اور تمام عہدیداران اپنی بیوی بچوں اور ساز وسامان کے ساتھ جلد سے جلد سمرقند کا علاقہ خالی کردیں، ایک بھی مسلمان باقی نہ رہے، اور اگلی مرتبہ جب اس علاقہ کا رخ کرنا ہو تو پہلے اسلامی اصول کی پابندی کی جائے۔

قاضی نے فیصلہ سنایا، عدالت کو برخاست کیا اور اپنی جگہ سے اتر کر عام لوگوں کی بھیڑ میں شامل ہوگیا۔

پادری جو کچھ دیکھ اور سن رہا تھا سب کا سب ناقابل یقین تھا، اسے یہ سب ایک ڈرامہ سا لگ رہا تھا، کیا کاغذ کے اس معمولی سے ٹکڑے میں اتنی طاقت ہے؟ کیا کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی جیتا ہو ملک چھوڑ دے؟ وہ بھی ایسا سرسبز وشاداب ملک! کیا عدالت ایسی بھی ہوا کرتی ہے! آخر یہ کس دنیا کے لوگ ہیں!!

اور پھر چند ہی گھنٹوں بعد تاریخ نے وہ پرکیف منظر بھی دیکھا کہ اسی سمرقند کے گلیاروں سے ایک فاتح وحاکم قوم ندامت کا بوجھ لیے ہوئے نکل رہی ہے، جی ہاں ندامت! ندامت اس بات کی کہ ان سے کوتاہی ہوگئی، ندامت اس بات کی کہ اسلامی احکام کی پیروی نہ ہوسکی، ندامت اس بات کی ان کی وجہ سے خلیفہ کے دربار تک شکایت پہنچی اور ان کا اب تک کا قیام اسلامی اصولوں کے خلاف تھا.....

مسلم قافلہ شہر کی سرحدوں کو عبور کررہا تھا اور پیچھے گرد وغبار کی موجیں اٹھ رہی تھیں، محلے ویران اور گلیاں سونی ہورہی تھیں، لوگ حیران سوال پر سوال کررہے تھے اور جاننے والے بس اتنا ہی کہہ رہے تھے کہ اسلامی عدالت نے فیصلہ کیا ہے اور یہ اس کی تعمیل ہے۔

چند گھنٹے بھی نہ گذر پائے تھے کہ پورے شہر میں کہرام سا مچ گیا، آہ وپکار اور رونے دھونے کی آوازیں اٹھنے لگیں، کوئی بانہوں میں ٹوٹا جارہا تھا، کسی کی چیخ نکل رہی تھی، کوئی دیوانہ وار دوڑا جارہا تھا، تو کوئی قدموں میں بچھا جارہا تھا، زبانوں پر التجائیں، فریادیں اور دہائیاں..... کیا اس شہر پر خدا کا قہر ٹوٹا ہے؟ کیا یہ فرشتہ صفت لوگ روٹھ گئے ہیں، اگر یہ چلے گئے تو ہمیں تہذیب کون سکھائے گا، رہن سہن کون بتائے گا؟ محبت کا پیغام کون دے گا؟

تاریخ گواہ ہے کہ سمرقند کے لیے یہ جدائی ناقابل برداشت تھی، باشندگان سمرقند اپنے محسنوں سے چند گھنٹے بھی دور نہ رہ سکے، اور پورا شہر "**لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**" کا نعرہ لگاتا ہوا اسلامی لشکر کے پاس پہنچ گیا، اور پورے آداب واحسان کے ساتھ انھیں واپس اپنے ساتھ لے آیا۔ ع جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

ایک علمی وتحقیقی سوغات

منظمة السلام العالمية (ممبئی) کے زیر اہتمام ہندستان کے تقریباً دوسو سال کے مشہور مفتیان کرام کے فتاویٰ کی روشنی میں تیار کردہ علمی وتحقیقی مجموعہ۔

فتاویٰ علمائے ہند

تراث الفقيه وزاد المفتي

☆ قرآن وحدیث کے دلائل اور قدیم فقہی عبارتوں سے مزین۔
☆ تکرار سے پاک، سبھی ضروری موضوعات کا احاطہ۔
☆ جدید طرز پر آسان ترین اسلوب میں۔

انشاء اللہ یہ مجموعہ تقریباً تیس ہزار صفحات یعنی ساٹھ جلدوں پر مشتمل ہوگا، نیز عربی اور انگریزی ترجمہ کا بھی اہتمام کیا جارہا ہے، جس کے بعد پورا مجموعہ تقریباً ایک لاکھ صفحات یعنی دوسو جلدوں پر مشتمل ہوگا۔

معاصر علمائے کرام کی تائید وتحسین اور عمدہ طباعت کے ساتھ چھ جلدیں (کتاب الطهارة، کتاب الصلاة) منظر عام پر آچکی ہیں۔

جن اداروں میں دورۂ حدیث کی تعلیم ہوتی ہے یا دار الافتاء و دار القضاء کا نظام قائم ہے ان اداروں کے لیے یہ مجموعہ بلا قیمت ہے، صرف ڈاک خرچ کے ذریعہ یہ کتاب حاصل کی جاسکتی ہے۔

رابطہ

منظمة السلام العالمية

جامع مسجد سیکٹر 14، کوپرکھیرنہ، نیو ممبئی، 9

Mobile. 7303707605, E-Mail.info@thegpo.org

مسلمانوں کے لیے راہِ عمل

مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ

”ہم یہاں اس لیے آئے کہ اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں، دنیا کی تنگی سے نجات دے کر وسعت وکشائش کی راہ دکھائیں، ظلم وجور سے بچا کر عدل وانصاف کی فضا میں لائیں، بنی آدم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، ان کے درمیان برادرانہ محبت قائم ہونی چاہیے، ہماری نظر میں انسانوں کے درمیان شریف وکمین کی تقسیم صحیح نہیں ہے، ہم انسانوں کی خودساختہ اونچ نیچ کے قائل نہیں ہیں، ہم تمام آدمیوں کو ایک ہی اصل کی شاخیں سمجھتے ہیں، اور سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہتے ہیں، ملک گیری اور کشور کشائی ہمارا مقصد نہیں ہے، ہم انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے آئے ہیں، اگر ہماری بات مان لی جائے تو ہم واپس لوٹ جائیں گے“۔

مذکورہ بالا الفاظ میں عرب قاصدوں نے امرائے ایران اور شاہ ایران کے سامنے اپنے مقاصد پیش کیے، یہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مبارک عہد کا واقعہ ہے، مسلمان جب سرزمین عرب سے باہر نکلے اور روما و ایران کی حدود میں داخل ہوئے، تو ان کے دلوں میں یہی پاک خیالات تھے، اور وہ نوع انسانی کی خیر خواہی و ہمدردی کے غیر معمولی جذبات اپنے سینوں کے اندر رکھتے تھے، ملکوں کا فتح کرنا، سلطنتیں قائم کرنا، مال و دولت کے انبار لگانے اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنا ان کا مقصد نہ تھا، درحقیقت وہ نوع انسانی کی پریشانیوں سے دلگیر تھے، ان کا مقصود یہ تھا کہ ظلم وستم کے مارے ہوئے انسانوں کو امن وسکون اور راحت وآرام نصیب ہو، سلاطین وامراء کی چوکھٹوں پر جھکے ہوئے سروں کو اٹھا کر وہ رب العالمین کے سامنے سربسجود کرنا چاہتے تھے، وہ ہر قسم کی مشکلیں عوام الناس کی راہ سے دور کرنا چاہتے تھے، اپنی راحت وآرام کا ذرہ برابر بھی خیال نہ تھا بلکہ ان کی دلی آرزو تھی کہ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچائیں، وہ شاہانہ شکوہ وجبروت سے ناآشنا اور امیرانہ عیش وعشرت سے کوسوں دور تھے، ان کے حکمرانوں کو بادشاہت کا لفظ بھی گوارا نہ تھا، وہ موٹا جھوٹا کھا کر اور پھٹا پرانا پہن کر انسانوں کی خدمت کیا کرتے تھے، وہ کسی معاملے میں اپنی فوقیت اور ترجیح کے روادار نہ تھے، بلکہ ملک کے معمولی سے معمولی باشندے کی ضرورت کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے تھے اور سارے ملک کو کھلا کر خود کم سے کم پر گزر کرتے تھے۔“

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP -19

Volume: 09 | FEBRUARY 2017 | Issue: 02

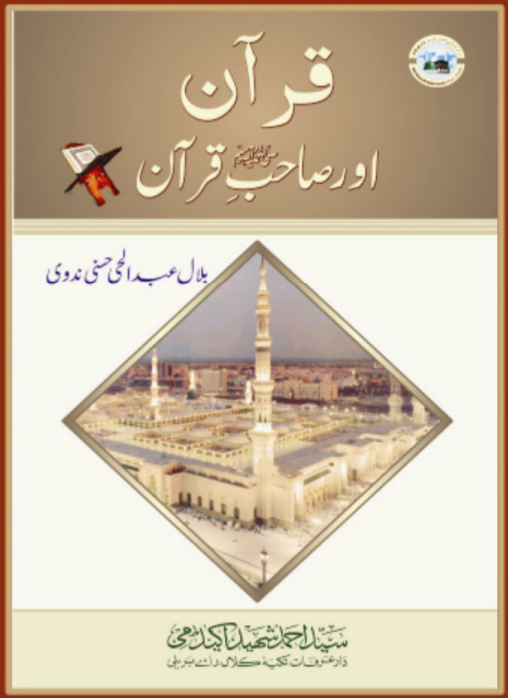

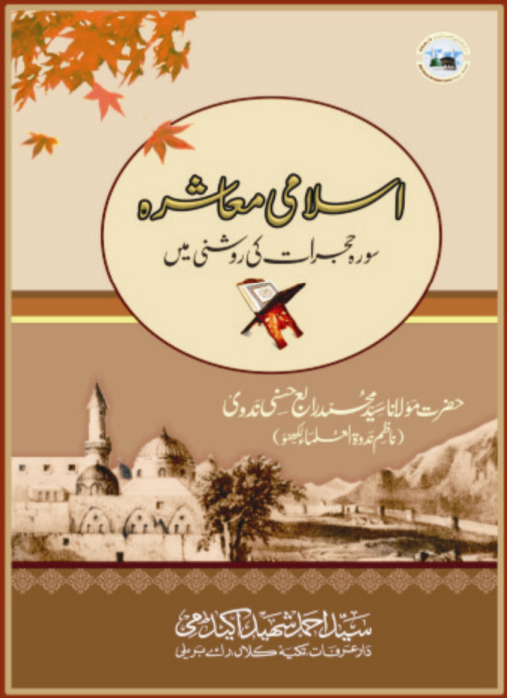

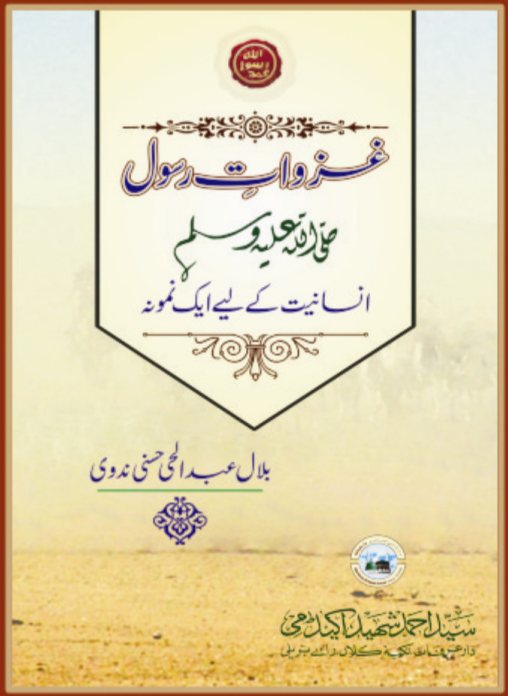

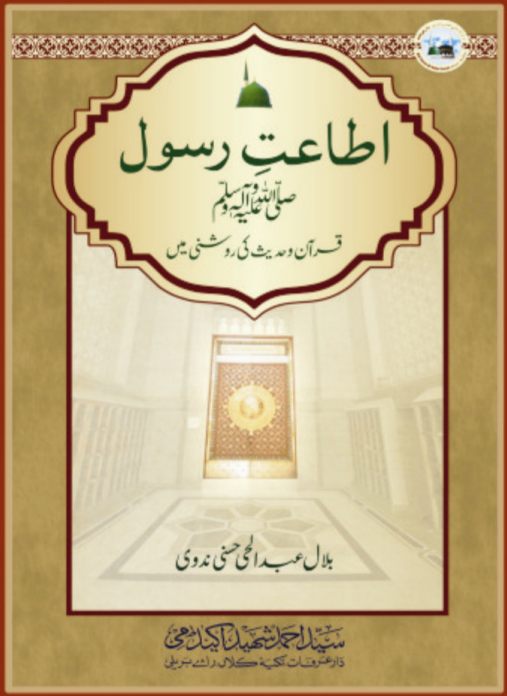

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)